ہر قسم کی درسی و غیر درسی مذہبی کتب
ہر قسم کے قرآن مجید ملنے کا پتہ:۔ (مولوی) سید احمد مالک کتبخانہ اعزازیہ دیوبند ضلع سہارنپور یوپی

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ

ایک جامع و مانع تقریر
مذہب اسلام کے اکثر اصول کلیہ پر
اپنے نرالے و سادہ پیرایہ میں
جو ابنائے ملک کی ضروریات اور فوائد دینیہ کے اعتبار سے جامع ہے

معنون بہ

الاسلام

جسکو

حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے

مؤتمر الانصار دیوبند کے اول جلاس واقع مراد آباد میں
ہزارہا علماء اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کو سنا کر محو حیرت بنا دیا تھا

جسکو

احقر (مولوی) سید احمد مدیر کتبخانہ اعزازیہ دیوبند نے خاص اہتمام سے اپنے
کتبخانہ اعزازیہ دیوبند سے شائع کیا

ہر قسم کی کتب نہایت صحیح و ارزاں قیمت پر ملنے کا پتہ } (مولوی) سید احمد مالک کتبخانہ اعزازیہ دیوبند (یوپی)

اسلام

یہ مبارک عنوان جس کی بقدر مناسب تفصیل لکھنے پر آج میری خوش قسمتی اور سعادت نے مجھکو آمادہ کیا ہے جس قدر اپنے تلفظ کی حیثیت سے چھوٹا۔ مختصر اور مفرد دکھلائی دیتا ہے اسی قدر اپنی معنوی وسعت کے اعتبار سے تفصیل طلب اور دقت خیز ہے، اسلام کی تاریخ اس کی صداقت اس کے فوائد اس کے برکات اور اس کی ترقی و تنزل کی داستان بے حد پر نتائج اور دلچسپ ہونیکی وجہ سے اگرچہ اس قلیل وقت میں پوری نہیں ہوسکتی جو اس تحریر کے لکھنے میں میں اپنے پاس سے صرف کر سکتا ہوں لیکن محض یہ نیت کر کے کہ ایسے مقدس اجلاس کے سلسلہ میں مضامین کا اس طرح کہ اہم اور ضروری عنوان سے خالی رہنا بھی شاید بہتر علامت نہ ہو، میں نے یہ کوشش کی ہے کہ اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا اقرار کر دینے کے بعد بہ کمال اختصار اسلامی اصول کو جسطرح پر کہ میں سمجھا ہوا ہوں ،

اپنی قوم اور احباب کے روبرو پیش کر دوں تاکہ ہمارا یہ مجمع اسلام کے بابرکت تذکرہ کے ثواب سے محروم نہ رہے اور مولنا عبیداللہ صاحب کے حکم کی (جنھوں نے

میرے دلمیں اس مضمون کی تحریک پیدا کی) تعمیل نہ کرنے کا بھی مجھکو گنہگار نہ ہونا پڑے ،

اس میں کچھ شک نہیں کہ مجھ سے پہلے سینکڑوں مصنفین نے اسی مضمون پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور ہزار و فضلا، اسی عنوان پر خامہ فرسائی کر چکے ہیں اور لاکھوں پیرایوں میں انھیں مسائل کا اعادہ ہو چکا ہے اور بے شمار آدمی اس موضوع پر اپنی جادو بیانی کا ثبوت دے چکے ہیں اور ایسی حالت میں ہماری اس ناچیز تحریر کی کوئی وقعت قائم ہونا نہایت مشکل ہے لیکن ہم خوش ہیں کہ ہمکو اپنے مضمون کی وقعت قائم کرنے کی خلش ہرگز دامن گیر نہیں ہے اور نہ ہمارے دل میں یہ تمنا ہے کہ ہمارے ہر ہر جملہ پر واہ واہ کے نعرے بلند کئے جاویں یا احسنت اور مرحبا کی صداؤں سے آسمان سر پر اٹھایا جاوے یا بات بات پر سبحان اللہ اور الحمدللہ کا ورد پڑھا جاوے ،

ہماری صرف ایک ہی آرزو ہے ، اور اسی میں کامیاب ہونے کو ہم اپنی محنت کا اصلی صلہ سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو دلی خیالات ہم نہایت صفائی کے ساتھ عام پبلک میں پیش کرینگے اگر سچائی اور راستی پر مبنی ہیں اور درحقیقت ان خیالات کا ماننے والا حیات ابدی کا مستحق ہو سکتا ہے تو اہل عقل ان کی تصدیق فرما کر ہمکو راحت اور تسلی بخشیں اور اگر فی الواقع ان خیالات کو ہم نے اپنی غلطی سے دل میں جما لیا ہے یا ان کے تسلیم کرنے میں اوہام کی آمیزش لگی ہوئی ہے یا کسی کورانہ تقلید اور بے جا حسن ظن کیوجہ سے انھوں نے ہمارے دل میں راہ پالی ہے تو براہ نوازش ہماری غلطیوں پر ہمکو متنبہ فرما کر ایک گم گشتہ راہ کی ہدایت کا اجر جو خدا کے یہاں سے مل سکتا ہے اپنے دفتر حسنات میں درج کرانے کی کوشش کریں .

سامعین کو یہ میں اطمینان دلاتا ہوں کہ میری تحریر کا عام ماخذ اگرچہ اکابر سلف کی تصنیفات سے باہر نہ ہوگا ، لیکن اس کا پیرایۂ بیان اور ترتیب دلائل جداگانہ طرز پر ہوگی اور شاید اصول اسلام کے ضمن میں بعض ایسے مضامین بھی نظر پڑیں گے جن کی اسقدر تفصیل دوسری کتابوں میں نہ مل سکے گی کیونکہ اسلام کی

فیض رسانی ہر خاص و عام اور ہر عالم و جاہل کے واسطے ہے اور اس کے اسرار اور فیوض عامّہ کسی شخص پر ختم ہونے والے نہیں ہیں وہ اسلام جس کے چشمہ سے قطرہ قطرہ آب حیات بن کر نکلا ہے، جس کے خزانے میں سے علم و معرفت کے لعل و جواہر تقسیم ہوتے رہے ہیں، جس کی عالم گیر روشنی سے دنیا کا ذرّہ ذرّہ جگمگا اٹھا ہے وہ اپنے اخیر زمانہ کے پیرووں کو اپنی فیاضی سے محروم رکھے اور اپنے ایک سچے مناقب و کمالات بیان کرنے والے کی کچھ امداد نہ کرے یہ بالکل قیاس سے باہر ہے،

میں یقین کرتا ہوں کہ میری تقریر کا روشن عنوان اس مضمون میں خود میری رہبری کرے گا اور اگر اور کچھ نہیں تو اس سے بھی کیا کم کہ ایک ایسے اول العزم مذہب کا نام لینے ہی سے میری تقریر کی کافی حد تک عزت کی جا سکے گی،

یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اسلام کے یا اور کسی مذہب کے غیر متناہی فروع کا احاط کرنا اور ہر ایک جزئی جزئی کو دلائل یا قیاسات سے ثابت کر دکھانا صرف دشوار ہی نہیں بلکہ فضول اور بے کار بھی ہے کیوں کہ جب ایک مذہب کے تمام اصول بروئے عقل و انصاف تسلیم کر لئے گئے تو فروعات اور جزئیات کے ماننے میں انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ سکتی، اس لئے ہر مذہب و ملت کی جانچ اس کے اصول اور کلیات ہی کی صداقت سے کی جائے گی اور اس کی حقانیت کی پڑتال کا یہی بہتر اور آسان ذریعہ قرار پائے گا،

اسی قید کو ملحوظ رکھکر ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے اصول بلکہ تنگی وقت کا لحاظ کر کے، اصل الاصول کہاں تک عقل صحیح اور فطرت سلیمہ کے زیر حمایت ہیں وہ انسان کی فلاح و بہبودگی کس حد تک کفالت کر سکتے ہیں دنیا کے دوسرے شاندار مذاہب سے ان کو کیا فوقیت اور امتیاز حاصل ہے انھوں نے بندوں کے دلوں میں خدا کی کیسی قدر و منزلت قایم کرائی ہے اور پیغمبروں کا کس قسم کا احترام منوانے کی کوشش کی ہے اگر ہم اپنی اس تحقیق میں جس کا مدار محض نیک نیتی پر ہو گا خاطر خواہ کامیاب ہو گئے تو یوں سمجھو کہ ہم نے اپنی زندگی کا ایک بڑا بھاری فرض ادا کر لیا اور بہت سے دوستوں کو جو مجھ ہی جیسے ہوں سخت محنت اور کد و کاوش اور درد سری سے نجات دلا دی اور

۹۳۸

اور ہزارہا بندگان خدا کو تفتیش مذاہب میں ایک طویل جانکاہی سے بچا دیا، ہاں یہ بات بار بار یاد دلانے کے قابل ہے کہ اس مختصر تحریر میں جو کچھ مذکور ہوگا وہ طویل و عریض بیانات نہ ہوں گے نہ کثیر التعداد علماء کی رایوں کا استقصا اور موازنہ کیا جائے گا اور نہ بے انتہا کتابوں کے حوالے درج ہوں گے کیوں کہ ان مباحث کے لئے ہم نے خود ایک ایسی مبسوط اور مستقل تصنیف کا ارادہ کر رکھا ہے جس کو ہماری اس تحریر سے وہی نسبت ہوگی جو کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر دلپذیر کو ان کی حجۃ الاسلام سے۔ اس تحریر میں جو کچھ خیال ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ اصول اسلام کی تشریح میں بعض کارآمد اور مفید عام مضامین نہایت ایجاز کے ساتھ لکھ دیئے جائیں جن سے ایک طرف تو ہمارے مذہبی خیالات کا اندازہ ہو جائے گا اور دوسری طرف اس مفصل کتاب کی (جس کا قصد میں نے ابھی ظاہر کیا نوعیت مضامین سے واقف ہونے اور طرز تحریر کے پرکھنے کا بھی مشتاقوں کے واسطے یہ تحریر ایک نمونہ بن جائے گی،

بلاشبہ اس قدر وسیع عنوان (اسلام) کو ان چند اوراق میں لکھ دینا دریا کو کوزہ میں بند کرنے سے ہرگز کم نہیں ہے مگر اسلام کے تعجب انگیز اعجازوں میں سے یہ بھی ایک ہے جس پر ڈاکٹر گستاؤلیبان وغیرہ محققین یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی ہے کہ وہ جس قدر طویل ہے اسی قدر مختصر بھی ہے اور جتنا دشوار ہے اتنا ہی آسان بھی ہے اور جیسا کہ اس سے ایک حکیم اور ارسطوئے وقت فائدہ اٹھا سکتا ہے ایسے ہی ایک عامی اور افریقہ کا ایک وحشی بھی اپنا کام نکال لیتا ہے، اسلام کے برگ و بار اگرچہ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں مگر ان سب کی جڑ صرف ایک کلمہ لآ الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ ہے ان ہی دو جملوں میں تمام اسلامی معتقدات کا خلاصہ اور لب لباب نکل آتا ہے اور یہی کلمہ شریعت اسلام کا جوہر ایمان کی روح، راستی کا نشان، ہدایت کی زندہ تصویر، اور علوم حقائق کا سرچشمہ ہے، اسی کلمہ سے دائمی راحت حاصل ہوتی ہے اسی سے روحی مسرت اور حقیقی آرام ملتا ہے، اسی کی بدولت مسلمان خیر الامم کے لقب سے سرفراز کئے گئے ہیں اور اسی کے چھوڑنے سے آج ان کو قعر مذلت میں گرا دیا گیا

لیکن جبکہ یہ کلمہ کل اہل اسلام کے نزدیک ایسی نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ تصور کرلیا گیا تو نہایت ضروری ہے کہ اسلام پر مضمون لکھنے والا اول اسی کی حقیقت کے واضح کرنے میں اپنا وقت صرف کرے اور جب تک اس کی کامل تحقیق سے فارغ نہ ہو جائے اسی کو مطمح نظر بنائے رکھے چنانچہ میرا ارادہ بھی اس وقت یہی ہے کہ میں اس کلمہ کی تحلیل و تقسیم کرکے اس کے ہر ہر جزو پر مستوعب بحث کروں،

جہاں تک غور کیا گیا اس کلمہ کے دو جز نظر آئے ان میں سے پہلا جزو جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی چیز معبود بننے کی صلاحیت و استحقاق نہیں رکھتی فی الواقع تین مضمونوں پر مشتمل ہے خدا کا وجود ہونا اس کا قابل عبادات ہونا، اور اس کی خدائی میں کسی کا شریک نہ ہونا،

پہلا مضمون یعنی خدا کا وجود

یہی وہ مضمون ہے جس کی تائید تمام ادیان و مذہب نے یک زبان ہو کر کی ہے اور جسپر بلانکیں اہل ملل کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ ملاحدہ جنکا دوسرا نام منکرین مذہب بھی ہے، زور شور کے ساتھ اسی مضمون کی تردید پر تلے ہوئے ہیں اور مادیین (میٹریلسٹ) کے گروہ سے ہماری سب سے بڑی معرکہ آرائی اسی میدان میں ہو سکتی ہے،

یورپ میں مادہ پرستوں کی جو جماعت تیار ہوئی ہے اس نے آج کل مذہبی دنیا میں ایک عام ہلچل ڈال رکھی ہے اور نہایت بیباکی کے ساتھ اس کا اظہار کیا ہے کہ خدا کا وجود ہرگز کوئی واقعی وجود نہیں ہے بلکہ وہ بھی ان وہمی اشیاء میں سے ایک شئے ہے جنکو انسانی تخیل نے قوانین طبعیہ سے مرعوب ہو کر اختراع کرلیا تھا رفتہ رفتہ اس فرضی خدا نے لوگوں کے دماغوں پر ایسا کچھ قبضہ اور اقتدار حاصل کیا کہ انھوں نے اپنے تمام اعمال و افعال اور تمام ارادوں بلکہ تمام کائنات کی عنان حکومت اسی کے ہاتھ میں دے دی اور محض اپنی خوش اعتقادی سے یہ سمجھ لیا کہ دنیا میں جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے اور جس قدر حوادث پیش آتے ہیں یا واقعات کا ظہور ہوتا ہے یہانتک کہ اگر ایک پتہ بھی ہلتا ہے اور ایک تنکہ بھی اپنی جگہ سے سرک جاتا ہے تو بغیر اس کے حکم اور ارادہ کے نہیں ہو سکتا،

مادہ پرست کہتے ہیں، کہ اہل مذاہب سے کوئی پوچھے کہ تم کو ایک ایسی مافوق الفطرت ہستی کے ماننے پر کس چیز نے مجبور کیا ہے کیا عالم میں جو حوادث واقع ہوتے رہتے ہیں یا زمانہ جو پلٹیاں کھاتا ہے یا وجود کی آمد و شد جو اکثر چیزوں میں مشاہدہ کیجا رہی ہے تمہارے اس فرضی خدا کے سوا اور کسی سبب سے ربط نہیں کھا سکتے یا مادہ جو مع اپنی حرکت کے ازلی و ابدی ہے ان ضرورتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا یا خواہی نخواہی تمکو ایک موہوم یا خارج از عقل ہستی کے سامنے جبہہ سائی ضروری معلوم ہوئی اگر ہم سے پوچھو تو یہ سب خیالات ارباب مذاہب کی ناواقفیت اور کوتاہ فہمی پر مبنی ہیں کیونکہ زمانہ حال کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عالم کی تمام سماوی اور ارضی اشیاء کی اصل دو چیزیں ہیں، مادہ اور اس کی قوت (حرکت) اور ازل سے دونوں تلازم کے ساتھ موجود ہیں یہ ناممکن ہے کہ مادہ اور اس کی حرکت میں جدائی یا انفصال ہو سکے اور ایک بغیر دوسرے کے پایا جاوے، مادہ سے وہی اجزا دیمقراطیسی مراد ہیں جو اس خلاء میں بھرے ہوئے ہیں اور جو اگرچہ ذہنی قسمت قبول کر سکتے ہیں لیکن خارجی تقسیم کا ان میں امکان نہیں انہیں ذرات کو ایثر (ایتھر) سے تعبیر کرتے ہیں، اور انھیں کی دوامی حرکت کی وجہ سے اجرام سماوی یعنی ستارے اور کائنات ارضی یعنی جمادات و نباتات اور حیوانات جو پہلے سے موجود نہ تھے وجود میں آئے ہیں اور ان چیزوں کا مادہ اور اس کی حرکت سے بننا بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ کوئی معلول اپنی علت سے بے اختیار بن جاتا ہے چنانچہ ان اشیاء کی پیدائش میں مادہ اور اس کی حرکت کو نہ کسی قسم کا ادراک ہوتا ہے اور نہ ان میں قصد و ارادہ پایا جاتا ہے اور جب ہم کرات عالم اور تمام مخلوقات کے وجود کو مادہ اور اس کی حرکت سے منسوب کر سکتے ہیں تو نہ ہمکو کسی فرضی خدا کی حکومت ماننی پڑتی ہے اور نہ اپنے کو مذہبی طوق و سلاسل میں پھانسنے کی ضرورت رہتی ہے غرض ہمارے نزدیک مادہ بھی قدیم ہے اور اس کی حرکت بھی قدیم ہے اور جو سلسلہ صورتوں کا مادہ کے اندر قائم رہتا ہے وہ بھی قدیم ہے اگرچہ صورت شخصیہ علیحدہ علیحدہ حادث ہے اس حالت میں ہمکو خدا کے وجود کی اصلا ضرورت نہیں بلکہ مادہ اور اس کے قوانین فطریہ ہی عالم کی ہستی اور بقا کی ضمانت ہیں،

ہم کہتے ہیں کہ بے شک مادّیین نے بزعم خود کائنات کے وجود کا ایک خاص سبب پیدا کیا لیکن ابھی تک جس منتظم اور مرتب کائنات کے سبب کی ہمکو تلاش تھی اس میں کامیابی نہیں ہوئی انھوں نے ہم کو ایک نہایت علیم وحکیم اور ہمہ صفت موصوف خدا سے علیحدہ کرکے ایک ایسے خدا پر قناعت کرنے کی رائے دی جو بالکل اندھا، بہرہ، گونگا، اور بے حس و بے شعور ہے جس کا کوئی کام نہ قصد واختیار سے ہوسکتا ہے، نہ مصنوعات میں کسی قسم کی ترتیب اور تناسب پیدا کرنے پر قادر ہے نہ اس میں سمجھ کا مادہ ہے نہ وہ کسی قاعدہ وقانون سے واقف ہے نہ اس کو امور انتظامیہ کی اطلاع ہے، حالانکہ جس عالم کے فاعل کا ہم کو کھوج لگانا تھا وہ عالم کائنات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے ہر ہر جزو میں بیش قیمت حکمتیں ودیعت رکھی ہوئی ہیں جسکے عجیب و غریب اسرار کا مشاہدہ کرتے کرتے عقل انسانی تھک جاتی ہے اور جس کے بہت تھوڑے سے حصہ کا تتبع کرنے سے حکماء کو خصوصاً ان مادّیین کو یہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ مظاہر فطرت کی جس قدر باریکیاں ہم معلوم کرسکے ہیں وہ اس سے بہت ہی کم ہیں جواب تک معلوم نہیں ہوسکیں، علم تشریح، علم الافلاک، علم الحیوانات، علم نباتات اور علم طبقات الارض کے ماہرین سے دریافت کرو جو رازہائے قدرت تم نے موجودات عالم میں آج تک دریافت کئے ہیں وہ کس قدر ہے، اور ان کی حفاظت کے واسطے کتنے دفتر اور کتنے کتب خانہ تمکو درکار ہوے ہیں ،

پھر عالم کے احوال میں جو تفاوت اور حاجت مندی کے آثار پائے جاتے ہیں اس پر بھی ایک نظر ڈالو اور، ہر ہر شے کی پستی و ذلت کو جس سے خدائے تعالیٰ کی پر حکمت وجبروت کا سبق حاصل ہوتا ہے) بہ نظر تعمق ملاحظہ کرو تاکہ تمکو معلوم ہو کہ یہ کارخانہ یوں ہی بے سرا اور بخت واتفاق سے پیدا ہونے کے قابل نہیں ہے ،

آسمان، چاند، سورج، اور ستاروں کو دیکھئے کہ ایک حال پر قرار نہیں کبھی عروج ہے، کبھی نزول، کبھی طلوع ہے، کبھی غروب، کبھی نور، کبھی گہن، آگ کو دیکھئے کہ بے قرار ہے تھامے نہیں تھمتی، ہوا کا یہ حال ہے کہ کبھی حرکت کبھی سکون اور حرکت بھی ہے تو کبھی شمالی کبھی جنوب، کبھی پورب اور کبھی پچھم کو

ماری ماری پھرتی ہے، ادھر پانی کا کرّہ ہوا کے دھکوں سے کہیں کا کہیں نکلا جاتا ہے، اور زمین کو بھی پستی کے سوا لاچاری اس درجہ کی ہے کہ اس پر کوئی دوڑتا ہے، کوئی بھاگتا ہے، کوئی کھودتا ہے، کوئی بھرتا ہے، اسی طرح نباتات کبھی چھوٹے ہوتے ہیں کبھی بڑے، کبھی تر ہوجاتے ہیں کبھی خشک ہوجاتے ہیں اور اس پر ایک زمین ایک پانی اور ایک آفتاب ہونیکے باوجود اس قدر مختلف پھول اور پھل لاتے ہیں کہ ایک دوسرے سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے علیٰ ہذا القیاس، حیوانات خصوصاً بنی نوع انسان باوجودیکہ سب کے سب اربع عناصر ہی سے مرکب ہیں شکل و شمائل خو، بو، اور خاصیت و مزاج میں اتنے مختلف معلوم ہوتے ہیں کہ حدِ ادراک سے باہر ہے، اس کے علاوہ بھوک پیاس، صحت مرض، گرمی، سردی، اور حرص وہوا وغیرہ کے بہت سے موکل ان کے پیچھے ایسے لگا دیئے ہیں کہ جس سے شرف حیات بھی خاک میں ملگیا، اور حضرت انسان کے پیچھے تو اتنا لشکر خواہشات اور حاجات کا متعین ہوا کہ جس نے اسلی فہم و دانش کو ناچار کرکے تمام شرافت و عزّت کو ملیامیٹ کر دیا دوسرے حیوانات تو صرف کھانے پینے ہی کے محتاج ہیں،

لباس، مکانات، سواری، عزت، منصب، جاگیر، میٹھے، کھٹے، نمکین کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے، لیکن انسان کو بغیر ان چیزوں کے بھی زندگی بسر کرنا محال یا دشوار ہے بلکہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس میں کوئی خوبی اور کمال زیادہ تر تھا اسی کو اوروں کی نسبت زیادہ قیودات میں پابند کر کے رکھا ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بادشاہ اگر غریبوں کو قید کرتے تو کئی کئی قیدیوں کو ایک محافظ سپاہی کفایت کرتا ہے، اور اگر کوئی بادشاہ یا امیران کی قید میں آجاتا ہے تو گو اسے تعظیم سے رکھیں لیکن اس پر بہت پہرے اور بڑے بڑے بہادر حفاظت کیلئے مقرر کیا کرتے ہیں، بہرحال جبکہ ایسے ایسے اشرف اجزائے عالم اس ذلت و خواری میں گرفتار ہیں جسکا ذکر اوپر ہوا ایسے مجبور ہیں کہ دم بھر کو بھی ان قیودات کے شکنجوں سے وہ علیحدہ نہیں ہوسکتے تو بلاشبہ ان کے سر پر کوئی ایسا منتظم حاکم ہے جو ان سے ہر وقت قیدیوں کی مانند یہ سب بے گاریں لیتا ہے اور چین سے نہیں رہنے دیتا تاکہ یہ مغرور نہ ہوجائیں

اور اوروں کو ان پر بے نیازی کا گمان نہ پیدا ہو،

بلکہ ان کو ایسا ذلیل و خوار دیکھکر یہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی خدا کو پہچانیں اور سمجھ لیں کہ یہ اس کے انتظام کی خوبی ہے کہ ان سے طرح طرح کے کام لیتا ہے اور انپر قسم کے احوال بھیجتا ہے اور یہ ایسا قصہ ہے جیسا کہ ایک بیدار مغز اور مدبر حاکم اپنے ماتحتوں کو فارغ نہیں رہنے دیتا، اور اس پر بھی کہیں کبھی کہیں تبدیل کرتا رہتا ہے،

یورپ کا ایک محقق راسین بھی انہیں مناظر قدرت کو دیکھکر کہتا ہے کہ "اے آسمانوں! مجھکو خبر دو، اے دریاؤ مجھکو بتاؤ، اے زمین مجھکو جواب دے اے بے انتہا ستارو تم بولو کہ کون سا ہاتھ ہے جس نے تمہیں افق میں تھام رکھا ہے اے شب چاردہ کس نے تیری تاریکی کو خوب صورت بنا دیا ہے۔ تو کس قدر شان والی ہے، اور کس قدر عظمت تاب ہے۔ تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہے جس نے تجھکو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے، اس نے تیری چھت کو قبہ ہائے نور سے مرصع کیا ہے، جس طرح کہ اس نے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہے، اور گرد کو ابھارا ہے او! مژدہ رسان سحر! او نیر شگرف! او ہمیشہ روشن رہنے والے ستارے! او آفتاب درخشاں! سچ بتا تو کس کی ادائے طاعت کے لئے محیط کے پردے سے باہر آتا ہے، اور نہایت فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شعاعیں عالم پر ڈالتا ہے اے پر رعب سمندر، اے وہ کہ غضب ناک ہو کر زمین کو نگل جانا چاہتا ہے کس نے تجھکو محبوس کر رکھا ہے، جس طرح شیر کٹہرہ میں قید کر دیا جاتا ہے تو اس قید خانہ سے بے فائدہ نکل جانے کی کوشش کرتا ہے، تیری موجوں کا زور ایک حد معین سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتا،

رلین ڈورڈ کہتا ہے کہ "انسان اس وقت سخت حیرت زیادہ ہو جاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرر اور ناطق مشاہدات کے ہوتے ہوئے ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت و اتفاق نتائج کے ہیں یا دوسری عبارت میں یوں کہنا چاہیئے کہ مادہ کی عام عام خاصیت کے نتائج ہیں یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیاں جن کو لوگوں نے علم المحسوسات کا "لقب دیا ہے علم حقیقی

نے ان کو بالکل باطل کر دیا ہے، فزیکل سائنسدان کبھی ایس پر اعتقاد نہیں لا سکتا ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے کہ "یہ اسرار جو روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہیں جب ان پر زیادہ بحث کرتے ہیں تو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی و ابدی قوت ہے جس سے تمام اشیاء وجود میں آتی ہیں" پروفیسر لینا کہتا ہے "وہ خدائے اکبر جو ازلی ہے، جو تمام چیزوں کا جاننے والا ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے اپنی عجیب غریب کاری گریوں سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میں مبہوت اور مدہوش ہو جاتا ہوں،

اب ان سب کے جواب میں مادہ پرست کہتے ہیں کہ یہ تمام عمدہ انتظام اور مضبوط قاعدے جو دنیا میں جاری ہیں یہ سب بھی مادّہ اور حرکت کی ہی کارسازیاں ہیں اور مادّہ اگرچہ خود نہیں جانتا مگر خود بخود اس سے بڑے بڑے ایسے ایسے حیرت انگیز قوانین اور اصول بن جاتے ہیں جن کی اس عالم کو ضرورت رہتی ہے اور جس پر نظام عالم کا دار و مدار ہے لیکن ان حضرات سے اگر کوئی یہ کہے کہ ہندوستان کے کسی گاؤں میں بچہ پیدا ہوا اور بچہ پیدا ہوتے ہی اس نے نہایت فصیح و بلیغ تقریر شروع کی اور وہ علوم و معارف اس کی زبان سے ظاہر ہوئے ہیں جن کی خبر نہ ارسطو کو ہوئی تھی نہ افلاطون کو، نہ بیکن کا ذہن وہاں تک پہونچا تھا اور اور نہ نیوٹن کا،

نہ رازی کو وہ مضامین خواب میں نظر آئے تھے نہ امام غزالی کو، تو یہ لوگ ہرگز اس کے بیان کی تصدیق نہ کر سکیں گے، بلکہ جو شخص اس عجوبہ زا قصہ کی تصدیق کرے گا اس کو بھی ان لوگوں کے یہاں سے مجنوں، دیوانہ اور خبطی و پاگل کا خطاب ملے گا،

تو کیا اے عقلمند و مادّہ کی وہ سحر کاریاں اس واقعہ کی ندرت سے کچھ کم حیرت افزا ہیں وہ بچہ جو ایک ناکمل انسان ہے ان امور کی قدرت نہ رکھے جنکو چند تعلیم یافتہ مرد انجام دے سکتے ہیں، اور ایک "جماد لا یعقل" جسکو ذرہ برابر بھی ادراک و شعور نہیں، تمام مخلوقات کی حفاظت اور زینت کے ایسے محکم دستور العمل تیار کرے جن کو دیکھکر دنیا کے عقلاء حیران ہیں اور جن کے اسرار و حکمت کی گہرائیکو

سب ملکر بھی آج تک معلوم نہیں کر سکے، اگر اس پر بھی آپ یہی کہے جاویں کہ بغیر کچھ ہی ہوا ان تمام قوانین کی واضع وہی مادّہ کی بے اختیاری حرکت ہے تو لیجئے علامہ حسین آفندی ہماری اور آپ کی مثال ٹھیک ان دو شخصوں کی سی ہوگی جو کسی نہایت رفیع الشان اور مضبوط کوٹھی میں داخل ہوئے جس میں متعدد [illegible] اور نشستگاہیں پائی جاتی ہوں وہ شاندار دروازوں اور مضبوط جنگلوں سے آراستہ ہو، اس کے برآمدے اور ڈیوڑھیاں بہت استحکام کے ساتھ بنائی گئی ہوں، اور کمروں میں اعلیٰ درجے کے فرش بچھے ہوئے ہوں، بڑے بڑے بلند تخت لگے ہوں، نہایت بیش قیمت برتن اس کے چاروں طرف قرینے سے رکھے ہوں،

مختلف گھڑیوں، متعدد "مقیاس الحرارۃ" اور مقیاس الہواء کے ذریعہ اس کی دیواروں کی زیبائش کی گئی ہو،

غرض اس میں بود و باش کرنے کے لئے جتنے ساز و سامان ضروری ہوں سب ہی کچھ موجود ہوں، اس کے چاروں طرف نہایت خوب صورت سیرگاہیں نظر آتی ہوں گرداگرد ایسی چمن بندی کی گئی ہو جن میں درختوں کا صف باندھ کر کھڑا ہونا کیا ہو کو بھلا معلوم ہوتا ہو قسم قسم کے پھولوں کی کیاریاں موقع موقع سے بنائی گئی ہوں اس کی نہروں اور جدولوں میں پانی بھرا ہوا ہو، اس کے مستحکم بنے ہوئے حوض لبالب بھرے ہوں،

خلاصہ یہ کہ عیش و آرام کے سب سامان مہیا ہوں، اور جو بھی انہیں دیکھے یہی کہے کہ فلاں شئے فلاں حکمت پر مبنی ہے، اس چیز سے یہ فائدہ ہے، اس کی یہ ضرورت ہے، اس کا بنانے والا کیسا ذی اختیار اور خوش تدبیر تھا، جس نے کہ جو چیز بنائی ایک قرینے سے بنائی، اور جس شے کے لئے جو مقام تجویز کیا اس کے لئے وہی مناسب تھا،

اب ایسے مقام پر پہونچکر ان دونوں شخصوں میں سے ایک تو یہ کہنے لگا کہ صاحب اس میں ذرا شک نہیں کہ اس کا بنانے والا ان ساری عجیب و غریب صناعیوں پر خوب ہی قادر تھا، اور ان کی تالیف و ترتیب کے طریقوں سے بھی بڑی واقفیت

رکھتا تھا، جب اس نے انتہا درجہ کی حکمت کے موافق اس کو اس قدر مضبوط اور استوار بنایا، اور خوبی یہ کہ اس کے تمامی لوازمات کامل طور پر مہیا کر دیئے تاکہ یہاں رہنا اور بکمال عیش و آرام سے بسر کرنا ممکن ہو اور کوئی امر آسائش راحت میں مخل نہ ہونے پائے، اس کے بنانے والے کو اگرچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں مگر یہ بالکل یقینی امر ہے کہ اس میں علم و قدرت، تدبیر و حکمت وغیرہ اوصاف جن کی کہ اس کوٹھی کے بنانے میں ضرورت پڑتی ہے سب موجود تھے،

باقی اس کوٹھی کے ساز و سامان میں اگرچہ بعض چیزیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جن کی حکمت میری سمجھ میں نہیں آئی، لیکن ان میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی اگرچہ میں اس کو دریافت نہیں کر سکا کیوں کہ جن اشیاء کی حکمت میری سمجھ میں آگئی میں نے اس سے اطمینان کر لیا ہے کہ اس کا بنانے والا بڑا حکمت والا ہے تو اس نے ان کو بھی خارج از حکمت و مصلحت نہ بنایا ہوگا،

اب دوسرا شخص اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اس کوٹھی کے وجود کا سبب جو تم نے بتلایا یہ درست نہیں بلکہ ایک پہاڑی کی طرف (جو اس کوٹھی کے پاس استادہ تھی اور جس کی جڑ میں ایک پانی کا چشمہ جاری تھا) اشارہ کر کے کہا کہ اس پہاڑی کی چوٹی سے اس قطعہ زمین کی جانب جس میں یہ کوٹھی واقع ہے ہمیشہ زمانہ قدیم سے ہوا چلا کرتی ہے، یہی ہوا لاکھوں برس تک مٹی اور پتھر کو پہاڑی سے منتقل کرتی رہی اور وہ سب چیزیں اس کی وجہ سے مختلف شکلوں پر اس قطعہ زمین پر جمع ہوتی رہیں اور بارش کا پانی ہمیشہ اس میں کچھ تصرف کرتا رہا کبھی اس کی شکل کچھ ہو گئی کبھی کچھ اسی طرح کبھی وہ چیزیں مجتمع ہو گئیں اور کبھی پراگندہ اور ان کی اوضاع شکلوں میں ہوا اور بارش کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہی یہاں تک کہ کروڑوں برس کا زمانہ گذرنے کے بعد اب اس کوٹھی کی باقاعدہ صورت بن گئی جس میں کمرے، نشستگاہیں، دروازے جنگلے، برآمدے، راستے، حوضیں اور نہریں سبھی کچھ پائی جاتی ہیں، رہا نہروں کا جاری ہونا اس کی یہ صورت ہوئی کہ اس چشمہ سے جو کہ اس پہاڑی کی تلی میں واقع ہے ہمیشہ پانی بہہ کر اس قصر کے

صحن میں مختلف طریقوں سے جاری ہوا، کیا اس لئے پانی سے اس کی مٹی گلتی رہی، ہوا اور بارش کا اثر اس کے راستے میں ہوتا رہا، شدہ شدہ لاکھوں برس کا زمانہ گذرنے کے بعد باقاعدہ نہریں اور حوضیں جاری ہو گئیں اور اس میں پانی اس موجودہ انتظام کے ساتھ بہنے لگا،

اب اس کے برتن، گھڑیوں، فرش، اور مختلف قسم کے مقیاسوں کو لیجئے، ان کی یہ صورت ہوئی کہ مسافروں کا قافلہ جو کبھی اس پہاڑ پر اس زمین میں اترا تو قافلہ والوں کی یہ چیزیں اتفاق سے چھوٹ گئیں اور ہوا ان کو مختلف طرح پر ادھر ادھر منتقل کرتی رہی حتیٰ کہ سالہا سال کے بعد یہ نوبت پہونچی کہ فرش باقاعدہ بچھ گئے، برتن قطاروں میں آراستہ، گھڑیاں اور مقیاس دیواروں پر آویزاں ہو گئیں، یہی حالت ان درختوں اور پھولوں کی ہوئی جو یہاں کی سیرگاہوں میں باقاعدہ لگے ہوئے ہیں، ان کے بیج ہواؤں میں اڑکر یہاں تک پہونچ گئے، اور اس زمین پر جم کر اگ آئے اور ہوا کی وجہ سے ادھر ادھر منتقل ہوتے ہوئے باقاعدہ طور پر آراستہ ہو گئے اور موجودہ حالت پر نظر آنے لگے،

اب وہ شخص جس کے دماغ میں کچھ بھی عقل اور سر میں کچھ بھی انصاف ہے بے لاگ ہوکر ان دونوں بیانات کا فیصلہ کر دے اور بے تعصبی کی راہ سے بتلا دے کہ اس کوٹھی کے تیار ہونے کا وہ سبب جو پہلے آدمی نے بتلایا ہے عقل کے نزدیک ماننے کے قابل ہے، یا دوسرے شخص کی بیہودہ بکواس اور اسی طرح عالم کی پر اسرار ہستی کے واسطے ایک قادر مطلق اور علام الغیوب خدا کا اعتقاد رکھنا زیادہ قرین قیاس ہے، یا ایک جاہل اور اپاہج مادہ کا، اور ایسی صورت میں اربوں کھربوں انسانوں کی رائے جو آدم علیہ السلام کے عہد سے اس وقت تک گذرے ہیں اور جن میں بڑے بڑے حکماء اور اولوالعزم انبیاء بھی شامل ہیں، صحت اور واقعیت سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے یا ہزار دو ہزار غافل اور بدمستوں کی،

بلاشبہ ہمارے زمانے کے بعض عقلاء سے سخت غلطی ہوئی کہ انھوں نے ایسے ایسے اعلیٰ درجہ کے قوانین قدرت کو جن سے خدا تعالیٰ کی حکمتوں اور صناعیوں کی بوقلمونی ظاہر ہوتی ہے، خدائے برتر کی امداد کا محتاج نہیں سمجھا، بلکہ صرف ان قوانین میں جو

حرکت مادہ سے پیدا ہوئی ہیں باہم توافق تناسب ربط واتحاد پیدا کرنے کے لئے خدا کے وجود کی ضرورت باقی رکھی حالانکہ اس تناسب واتحاد کا باقی رکھنا بھی اسی مادہ اور حرکت کو کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا جس نے ایسے ایسے غامض اور غیر متغیر قوانین عالم میں جاری کر دیئے ہیں،

تماشے کی بات یہ ہے کہ جیسا کہ مسلمانوں میں بعض علماء نے مادہ پرستوں کی دھمکی سے مرعوب ہو کر مادہ وغیرہ کو قدیم مان لیا اسی طرح بعض دوسری اقوام کے لیڈروں نے بھی یورپ کے ملحدوں سے ڈر کر قدامت کے مسئلہ کو جزو مذہب بنا دیا ہے اور اسی پر مسئلہ تناسخ کی بھی بنیاد جمانا شروع کر دی حالانکہ دنیا کی وہ پرانی کتاب جس پر یہ لوگ نہایت زور شور کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، اور جس کو اہل ہنود کی عزت افزائی نے الہامی کتاب بھی بنا دیا ہے خوب پکار کر کہہ رہی ہے کہ خدا کی ذات وصفات کے سوا کوئی قدیم نہیں ہے چنانچہ رگوید منترا شلوک ۸ ادھیائے ورگ ۷، کا جو ترجمہ خود سوامی دیانند جی مہاراج نے بھاشیہ بھومکا صفحہ ۵۷ میں کیا اس کی حرف بحرف نقل یہ ہے،

جس وقت ذروں سے ملکر بنی ہوئی دنیا پیدا نہیں ہوئی تھی اس وقت یعنی پیدائش کائنات سے پہلے است (غیر محسوس حالت) تھی یعنی شونیہ آکاش بھی نہیں تھا کیوں کہ اس کا اس وقت کچھ کاروبار نہیں تھا اس وقت (ست پرکرتی) یعنی کائنات کی غیر محسوس علت جس کو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو (ذرے) تھے وراٹ (کائنات) میں جو آکاش دوسرے درجہ پر آتا ہے وہ بھی نہ تھا بلکہ اس وقت صرف پربرہم کی سامرتھیہ (قدرت) جو نہایت لطیف اور اس تمام کائنات سے پرے پرم (بے علت) اکارن سے موجود تھی الخ

کیا رگوید کی اس صریح عبارت میں کوئی تاویل چل سکتی ہے، کیا کسی تاویل کرنے والے کے منطقی الٹ پھیر کچھ کام دے سکتے ہیں، کیا اس کے بعد بھی ان حضرات کے دو اہم مسئلوں قدامت عالم اور تناسخ کی بیخ و بنیاد قائم رہ سکتی ہے ہم کو افسوس ہے کہ اس قوم کے لیڈروں کی کوشش جو انھوں نے وید کی جدت طرازی میں کی تھی بالکل رائگاں گئی اور انھوں نے خدا کو لوہار، بڑھئی، کمہار کے ساتھ تشبیہ دینے میں فضول اپنا وقت

ضائع کیا ان کا خیال ہے کہ جس طرح بڑھئی، لوہار، ظروف ساز، وغیرہ اپنے ہر چیز کے بنانے میں مادّہ کی احتیاج رکھتے ہیں اسی طرح خداوند کارساز کے لئے بھی یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ دنیا کے کارخانوں کو بغیر کسی مادّہ کے بنا دے،

لیکن ان صاحبوں کو یہ خیال نہیں رہا کہ بڑھئی، لوہار وغیرہ کو بغیر ہاتھ پاؤں اعضائے جسمانی وغیرہ سامان اور اوزاروں کے بھی کسی چیز کا بنانا محال ہے، حالانکہ خدا کی نسبت خود بھومکا صفحہ ۹ میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس کو ان آلات کی ضرورت نہیں،

بڑھئی، لوہار، وغیرہ کو جیسا کہ کسی چیز کے بنانے میں مادّہ کی ضرورت ہے ایسے ہی دیکھنے میں آنکھ کی اور سننے میں کان کی اور بولنے میں زبان کی ضرورت ہے حالانکہ ستیارتھ پرکاش کی تصریح کے موافق خدائے عزوجل بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے بغیر کانوں کے سنتا ہے، اور بغیر زبان کے کلام کرتا ہے،

تو ایسی حالت میں نہ معلوم ان حضرات کو دیدک تعلیم کے برخلاف مادّہ کو قدیم کہنے اور اس پر تناسخ کا خیال باندھنے کی کیا ضرورت پیش آئی کیوں صاف طور پر وہی نہ کہدیا جو مسلمان وغیرہ کہتے تھے، کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے سوا سب اشیاء فانی اور حادث ہیں اور سب چیزوں کا وجود خدائے تعالیٰ کے اعتبار سے ایسا ہی عرضی و مستعار ہے جیسا کہ زمین و آسمان اور در و دیوار کا نور آفتاب کے نور سے یا گرم پانی کی گرمی آگ کی حرارت سے، اس خدائے واحد نے اپنی قدرت کاملہ اور ارادہ نافذہ سے ہر چیز کو نیست سے ہست کیا اور وہی اپنے اختیار سے جب چاہے گا نیست کر دے گا نہ اس کو مادّہ کی احتیاج ہے نہ اس پر روح کی حکومت ہے نہ اس کے اختیارات محدود ہیں، اور نہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہے وہ تمام کمالات کے ساتھ موصوف، اور جملہ نقصانات اور عیوب سے پاک ہے، کیونکہ تمام کمالات وجود کے تابع ہیں اور وجود ہی ان کا سرچشمہ ہے اور تمام نقصانات عدمی ہیں اور عدم ہی ان کا باعث ہوتا ہے تو جب خدا کا وجود غیر محدود اور خانہ زاد ہے کسی دوسری جگہ سے آیا ہوا نہیں اور نہ عدم کا قطعاً اس کے ساتھ اختلاط ہوا ہے تو جملہ کمالات بھی اس کے بے حد و بے پایاں اور غیر مستعار ہوں گے اور مخلوقات میں سے کسی مخلوق کے اندر جو کوئی بھی خوبی اور حسن ہوگا وہ سب اس کے محاسن اور صفات کا پرتو ہوگا

پس جب ایسی ذات ستودہ صفات نے اپنے اختیار و قدرت سے دنیا کو بنایا ہے تو یقیناً اس کی ایجاد اور ابقاء میں بے انتہا حکمتیں صرف ہوئی ہوں گی اور بے شبہ بنانے سے پہلے ہی خدائے تعالیٰ کے علم میں اس کا مرتب نقشہ اور ابتدا سے انتہا تک ہر ہر چیز کا اندازہ اور پیمانہ موجود ہوگا جسکو غالباً اہل اسلام لفظ تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ تعبیر اس اعتبار سے بالکل موضوع ہے کہ لغت میں اس لفظ کے معنے اندازہ ہی کرنے کے ہیں،

بہر حال اب تک جو کچھ ہم نے لکھا اس میں اگرچہ اثبات صانع عالم کے متعلق وہ زبردست استدلالات نہیں لکھے گئے جن کی تفصیل ہمارے متکلمین نے اپنی مبسوط تصانیف میں کی ہے یا جنکو ہم انشاءاللہ اسی مفصل کتاب میں ہم درج کرینگے جس کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے یہاں تو ایک سیدھے دلنشیں اور عام فہم طریقہ سے جس قدر اس مختصر تحریر میں گنجائش تھی عالم کے واسطے ایک جامع الکمالات فاعل کا ہونا ضروری قرار پا گیا اور یہی وہ مدعا تھا جسکو ہم ثابت کرنا چاہتے تھے اب جو کچھ گفتگو باقی ہے وہ اس میں ہے کہ اتنی بڑی کائنات کے لئے کیا تنہا ایک ہی خدا کا وجود کافی ہو سکتا ہے اور اسی سے ہماری سب حاجتیں پوری ہو سکتی ہیں، یا ہمکو مختلف ضروریات کے واسطے در در بھٹکنا پڑے گا اور بہت سے خود مختار بادشاہوں کے سامنے گردن جھکانا ہوگی،

توحید

یہی وہ بحث ہے جس کے ضمن میں اسلام کے چمکتے ہوئے امتیازات ظاہر ہوتے ہیں یہی وہ مقام ہے جس میں آکر تمام مذاہب کے قدم لغزش کھا گئے ہیں اور یہی وہ موقع ہے جہاں پہونچکر دین برحق کے کارناموں کی آزمائش ہوتی ہے مگر قبل اس کے کہ ہم اس بارے میں مذہب اسلام کی خصوصیات کو نہایت جلی حرفوں کے اندر ظاہر کریں یہ لازم خیال کرتے ہیں کہ جملہ مذاہب سے علیحدہ ہوکر محض عقلی حیثیت سے اس مسئلہ کو سمجھیں اور خدائے کامل کے دریافت کرنیوالی عقلوں سے دریافت کریں کہ آیا فی الواقع ایک ہی خدا

ساری دنیا کا بلا مشقت انتظام کر سکتا ہے، یا اس کو اپنی حکومت کے برقرار رکھنے میں یار مددگار رکھنے کی بھی ضرورت ہے،

جہاںتک فکر کی گئی اس سوال کا جواب حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے زیادہ پر مغز اور جامع کسی نے نہیں دیا، اور مصنفین نے غالباً اس قسم کی فلسفیانہ بحث کو اس قدر سلیس زبان میں کوئی نہیں سمجھا سکا چنانچہ مولٰنا کے ان مضامین کا ماحصل جو تقریر دلپذیر میں ہے درج ذیل ہے،

شعر، مطرب از گفتۂ حافظ غزل نغز بخواں تا بگویم کہ ز عہد طربم یاد آمد

جناب من دنیا کے پیدا کرنے والے اگر دو یا دو سے زائد خدا ہوں گے تو ہرگز کوئی چیز بھی وجود میں نہ آسکے گی، اور یہ سارا قدرتی کارخانہ بالکل درہم برہم ہو جائے گا کیونکہ یہ بات تو یقینی طور پر تسلیم کی جا چکی ہے کہ جس چیز کو خدا کہا جائے اس میں کسی طرح کی کمی اور نقصان نہ ہونا چاہئے اگر ایسا ہو کہ عام بندوں میں اور اس میں فرق نہیں رہ سکتا اس لئے کہ بندے خدا بننے سے اس لئے محروم ہیں کہ ان میں قسم قسم کے نقصانات پائے جاتے ہیں اور وجود کی باگ انکے قبضہ میں نہیں ہے کہ جو خوبی اور جو کمال چاہیں اپنے واسطے موجود کر لیں اب اگر خدا بھی ایسا ہی مجبور ناقص ہو تو اس کو کیا استحقاق ہے کہ وہ ہمارا خدا بن بیٹھے جب یہ بات قرار پا گئی تو اب یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ آدھی مخلوق ایک خدا کی اور آدھی ایک کی ورنہ ہر خدا میں نصفا نصف خدائی کی کمی اور کسر ہوگی، اس بنا پر یہی کہنا پڑے گا کہ ہر ایک خدا پوری پوری خدائی کا مالک ہے،

مگر اس صورت میں جیسا وہ کامل ہوگا دوسرے پر اس کی تاثیر بھی کامل ہی واقع ہوگی کیونکہ ممکنات اور خالق کی ایسی مثال ہے جیسے آفتاب یا چاند اور زمین و آسمان وغیرہ کی، آفتاب سے آفتاب کی طرح کا، اور چاند سے چاند کی طرح کا نور پھیلتا ہے، اور زمین و آسمان در و دیوار، کوہ و اشجار وغیرہ میں سے ہر ایک شئے کو حسب قابلیت منور کر دیتا ہے اور چیزیں تو فقط نظر آنے لگتی ہیں، لیکن آئینے کا اتنے ہی نور سے کچھ اور حال ہو جاتا ہے، وہ خود بھی منور ہوتا ہے اور دوسری چیزوں کو بھی روشن کر دیتا ہے، الغرض جتنا چاند اور سورج میں فرق ہے

اتنا ہی ان کی شعاعوں میں ، اور اور چیزوں کے منور ہونے میں فرق ہے تو جب خدا کا وجود بڑا ہی کامل ٹھیرا اور مخلوقات کے موجود کرنے میں اس کی تاثیر بھی کامل ہوئی ، اب اگر ایسے ایسے دو یا کئی خدا ہوں گے اور مخلوقات مشترک ہوگی تو ہر طرف سے کامل ہی کامل وجود ہر مخلوق کے پیمانہ اور حوصلہ کے موافق آئے گا ، گز میں گز بھر اور بالشت میں بالشت بھر اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سانچہ میں دو چیزیں اور ایک سیر بھر کے برتن میں دو سیر اناج اور ایک جوتے میں ویسے ویسے دو قدم ، اور ایک اچکن میں اس کے موافق دو بدن اور ایک نیام میں اسی مقدار کی دو تلواریں ، اور ایک مکان میں اسی کی گنجائش کے موافق دو چند اسباب نہیں سما سکتا اور دھینگا دھینگی سے ایک میں دو کو ڈالنے لگتے ہیں تو وہ سانچے اور برتن وغیرہ ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جاتے ہیں اسیطرح اگر دونوں خداؤں کی طرف سے پورا پورا وجود ایک مخلوق میں سمانے لگے تو بے شک وہ مخلوق معدوم اور نیست و نابود ہو جائے گی ،

ہاں اگر خدا کے وجود کامل ہونا ثابت نہ ہوتا بلکہ اس میں نقصان اور کمی کا احتمال ہوتا تو یہ بھی کہہ سکتے کہ جیسے دو چراغوں کا نور ملکر کامل نور ہو جاتا ہے دو خدا کے وجود کا پرتو ملکر کمال کو پہونچ جاتا ہوگا ، مگر اس کو کیا کیجئے کہ خدائی کے واسطے کامل الوجود اور تام الصفات ہونا لازم ہے اور تمام اہل مذاہب کو اس کا اعتراف کرنا پڑا ہے ،

اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ وہ دو وجود جو خداؤں کی جانب سے مخلوق کو عطا ہوئے ، اگر ایک ہی خدا کے خزانہ میں ہوتے اور جو زور قوۃ اور شوکت وحشمت دوسرے کو حاصل ہے وہ سب بھی اسی ایک خدا کے پاس ہوتے تو بلاشبہ یہ سب ملکر اس ایک تنہا خدا کی انفرادی قوۃ میں بہت کچھ اضافہ ہو جاتا اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک خدا کے وجود میں فی الجملہ کوتاہی اور نقصان ہے جس کی مکافات دوسرے کے وجود سے کی جاسکتی ہے باوجودیکہ اسکا اقرار کیا جاچکا ہے کہ خدائے پاک کی ذات ہر قسم کے قصور وفتور سے مبرا ہے وہ بے نقصان ہے سب چیزیں اس کے بھروسہ پر قائم ہیں وہ کسی کے سہارے کا محتاج نہیں وہ سب کی اصل ہے اور سب اس کی فرع ہیں ،

اور کیوں نہ ہو، جس سلسلہ کو دیکھئے ایک ہی اصل پر قرار پکڑتا ہے نور آفتاب اگرچہ ہزاروں مکانوں اور ہزارہا روشندانوں میں جدا جلوہ گر ہے لیکن ان سب متفرق انوار کو اسی ایک آفتاب کے ساتھ رابطہ ہے، اعداد کا سلسلہ گو ایک سے الیٰ غیر النہایہ پھیلا ہوا ہے کہیں دو کہیں تین کہیں چار کہیں پانچ کہیں بیس کہیں سو کہیں ہزار اور امثال کہیں جذر کہیں مجذور کہیں حاصل ضرب کہیں مضروب فیہ کہیں حاصل قسمت کہیں مقسوم کہیں مقسوم علیہ وغیرہ لیکن ان سب کی اصل، وہی ایک کا عدد ہے، اگر ایک نہ ہو تو یہ سارا سلسلہ اعداد کا نیست و نابود ہو جائے موجوں اور حبابوں کے کارخانوں کو دیکھئے تو سب کی اصل وہی ایک جز ہے آدمی وغیرہ کو دیکھئے تو سب ایک اصل میں جسے انسانیت وغیرہ کہتے ہیں مشترک ہیں،

اسی طرح جہاں نظر پڑتی ہے کوئی ایسا سلسلہ نظر نہیں آتا جس کا کوئی سرمنشا نہ ہو اور پھر ان سرمنشاؤں کو دیکھئے تو ان کا کوئی اور سرمنشا ہے وھلم جرا مثلاً ہم تم ہندو مسلمان اور یہود و نصاریٰ وغیرہ میں آدمیت سرمنشا ہے، اسی طرح گھوڑوں میں کوئی اور سرمنشا ہے اور گدھوں کی اور اصل اور کتوں کی اور اصل ہے۔ ان سب اصولوں کی اصل جاندار ہونا ہے ادھر نباتات کی اصل علیحدہ ہے اور ان کا جدا ہی سلسلہ اور جدا ہی سرمنشا ہے پھر ان کی اصل، وہ اور جانداروں کی اصل جسمیت کی زیر حکومت ہے اسی طرح اوپر تک چلے چلو آخر میں جا کر سارے عالم کا اشتراک وجود میں نکلتا ہے لیکن چونکہ شئے مشترک عین اشیاء متعددہ نہیں ہو سکتی اس لئے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ وجود عین عالم اور عین موجودات نہیں (جیسا کہ اپنے موقعہ میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے) بلکہ بایں لحاظ کہ ایک شئے کبھی موجود ہو سکتی ہے کبھی معدوم یہ کہا جائے گا کہ وجود عالم ایک خارجی اور عارضی چیز ہے اصلی اور ذاتی نہیں جیسا کہ پانی اپنی ذات سے گرم نہیں ہے اور آگ کی حرارت سے جو کہ اس کی اصلی اور ذاتی صفت ہے اس میں عارضی گرمی پیدا کر سکتے ہیں یا صاف و شفاف آئینہ کا نور جو کہ آفتاب کے مقابل ہوا اصلی نہیں بلکہ آفتاب کا فیض ہے، جس کا نور اصلی و ذاتی ہے ٹھیک اسی طرح عالم کے

وجود عارضی کے لئے بھی ضرورت ہے کہ وہ کسی ایسے موجود اصلی سے مستعار ہو جسکا وجود عرضی و مستعار نہ ہو پھر جیسے آفتاب سے گو ہزار ہا جگہ دھوپ پھیلے پر سب کی سب ایک ہی آفتاب کا فیض ہے یوں یقین کرنا چاہیئے کہ تمام عالم کا وجود بھی ایک موجود حقیقی و اصلی کا پر تو ہے اسی کو ہم خدا سمجھتے ہیں اور اسی کی نسبت ہمارا یہ خیال ہے کہ اس میں تعدد کی گنجائش نہیں،

اب یہاں پہونچکر آپ شاید بول اٹھیں کہ ہم نے مانا کہ موجودات کے وجود میں باہم اس طرح کا فرق نہیں جیسے دھوپ اور چاند کی چاندنی میں جسکا وجود ایسا ہی یکساں نظر آتا ہے جیسے اس میدان کی دھوپ اور اس میدان کی جس طرح ہر جگہ کی دھوپ کو خواہ وہ میدان وسیع اور جنگل میں ہو یا صحن مکان میں دھوپ ہی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر چیز کے وجود کا نام بھی خواہ وہ زمین و آسمان کا ہو یا چاند سورج کا یا انسان و حیوان کا وہی وجود رہتا ہے لیکن اگر فرض کریں کہ آسمان پر ایسے ایسے کئی آفتاب ہوں تو جس طور پر بہت سے ستاروں کا نو ملکر رات کو یکساں نظر آتا ہے بالیقین ان آفتابوں کا نور بھی ملکر یکساں نظر آئے گا پس اگر عالم کے واسطے کئی صانع ہوں اور سب کے وجود کا پر تو ملکر اسی طرح یکساں دکھائی دیتا ہو تو کیا بعید ہے،

اس شبہ کا جواب اوّل تو وہی ہے جو اس تقریر کے شروع میں معلوم ہو چکا کہ جس کارخانہ کو دیکھئے وہ کسی ایک چیز پر منقطع ہوتا ہے اور جس سلسلہ کو دیکھئے کسی ایک پر منتہی ہو جاتا ہے چنانچہ دھوپوں کا آفتاب پر سلسلہ اعداد کا ایک پر موجوں کے قصّہ کا پانی پر تمام ہونا ور چند مثالیں ان کے سوا پہلے بیان ہو چکی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں میں جتنے پھیلاؤ ہیں وہ کسی ایک شئے کی طرف سمٹے چلے جاتے ہیں،

اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ پانی اور آفتاب وغیرہ اشیاء مذکورہ کی وحدت (یعنی ایک ہونے کی صفت) بھی منجملہ موجودات کے ایک شئے موجود ہے اور ان اشیاء میں وحدت کا وجود بھی عارضی طور پر ہے کیوں کہ آفتاب اور پانی وغیرہ کے بہت سے ٹکڑے ہو سکتے ہیں اگر ان کی وحدت اصلی اور ذاتی ہوتی تو

وہ ان سے کسی طرح زائل نہ ہو سکتی یعنی نہ ان میں تقسیم جاری ہوتی اور نہ کثرت کی گنجائش کسی پیچ نکل سکتی، اس سے ظاہر ہوا کہ جیسا عالم کا وجود عارضی ہے وحدت بھی اس کی عارضی ہوگی، اور یہ وحدت بھی اسی موجود اصلی کا فیض ہوگا جسکا فیض خود وجود عالم ہے اور اس کی وحدت بھی اسی طرح اصلی ہونی چاہئے جس طرح اس کا وجود اصلی ہے، اس موقع پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جیسا کہ وحدت اقسام وجود میں سے ہے ایسی ہی کثرت بھی ہے اور عالم کا ہر قسم کا وجود عارضی ٹھہرا اور خدا کے وجود کا پرتو ہوا تو لازم آئے گا کہ وہ صفت کثرت بھی خدا کے اندر پایا جاوے اور اس کے واسطے وصف اصلی اور ذاتی ہو لیکن یہ مغالطہ تمکو اس وجہ سے لگا کہ وحدت کے مانند کثرت کو بھی تم نے اقسام وجود میں شمار کر لیا حالانکہ کثرت کا مبنیٰ عدم پر ہے،

دیکھو ہم جانتے ہیں کہ نور آفتاب ایک شئے واحد ہے لیکن اگر کسی دیوار میں ایک مکان کے دو روشندان برابر برابر ہوں تو درمیان میں اندھیرا ہونیکی وجہ سے ہر روشندان کا نور علیحدہ علیحدہ معلوم ہوگا غرض یہ کثرت اندھیرے کے سبب سے معلوم ہوتی ہے اگر ادھر ادھر نور اور بیچ میں اندھیرا نہ ہو مثلاً دیوار کو مکان میں سے اٹھا ڈالیں تو سب جگہ نور ہی نور ہو جائے گا اور یہ فرق و امتیاز اور تعدد جس کا نام کثرت ہے ذرا باقی نہ رہیگا اب چونکہ اندھیرا نور کے نہ ہونے کو کہتے ہیں اور نہ ہونا ہی عدم ہے تو معلوم ہوا کہ کثرت عدم کے باعث پیدا ہوئی ہے وجود کے اقسام میں سے نہیں،

بہر کیف اس تقریر سے یہ ثابت ہو گیا کہ جو اوصاف وجودی ہیں اور عالم میں پائے جاتے ہیں وہ ضرور ہیں کہ خدائے تعالیٰ میں بھی ہوں اور جو اوصاف عدمی ہیں وہ لازم ہے کہ خدا میں نہ ہوں اور یہ ثابت ہوا کہ جو موجود اصلی ہوگا اس میں کسی قسم کی تقسیم کی گنجائش نہ ہوگی اور نہ وحدت جو اوصاف وجود میں سے ہے جیسا کہ ابھی مذکور ہوا اس میں اصلی نہ رہے گی حالانکہ یہ محال ہے کہ وجود تو اسکا اصلی ہو اور سب قسم کا وجود مخلوقات کو اس سے پہونچے اور ہر طرح کے وجود کا منبع اور معدن ہو اور پھر اس میں بعض انواع وجود کے اصلی نہ ہوں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ

وجود اس کا عین ذات ہے اور ذات اس کی عین اوصاف ہے اور اوصاف اس کے عین وجود ہیں ورنہ وحدت اصلی اور موجودیت ذاتی باقی نہیں رہ سکتی اس وقت گو میں یقین کرتا ہوں کہ جو شبہ تمکو تعدّد صانع کے متعلق پیش آیا تھا اس کا حل کافی حد تک ہو گیا ہے بلکہ اس کے ضمن میں اور بہت سے گراں قدر فوائد بھی اختصار کے ساتھ حاصل ہو گئے لیکن میری یہ رائے ہے کہ ابھی اس مضمون کی کچھ اور تشریح کر دوں اور توحید کے بارے میں جو کچھ بھی شبہات ہوں ان کو بیخ و بُن سے اکھاڑ ڈالوں بگوش وہوش سنئے،

"میں کہتا ہوں کہ اگر کم از کم دو صانع ایجاد عالم میں شریک ہوں گے تو وہ دونوں جیسا صانع ہونے اور موجود اصلی ہونے میں شریک ہوں گے ایسے ہی کسی نہ کسی امر میں علیحدہ بھی ہوں گے کیوں کہ جہاں اشتراک کیساتھ تعدد پایا جائے تو وہاں لازمی بات ہے کہ کسی حیثیت سے ایک کو دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز بھی سمجھا جائے مثلاً دو آدمی باوجودیکہ آدمیّت میں شریک ہیں مگر بعض اوصاف میں مختلف بھی ہیں جیسا کہ شکل وصورت قد وقامت، مکان وزبان، رنگ روپ، خاصیت مزاج وغیرہ میں اگر یہ علیحدگی اور فرق نہ ہو تو تعدد ہرگز نہ ہو، وہی ایک آدمی رہے اس وجہ سے ضروری قرار پایا کہ جو دو چیزیں کسی امر میں مشترک ہوں تو انمیں سے ہر ایک کے اندر ایسے خصوصیات ہونی چاہئیں جو دوسری میں نہ پائی جائیں ان ہی خصوصیات کے مجموعہ کو ہم اپنی اصطلاح میں ذات سے تعبیر کرتے ہیں،

مگر ذات بے وجود کہ معدوم محض ہے کیوں کہ دنیا کی ہر ایک چیز وجود کے ذریعہ سے ہی وجود دکھلاتی ہے البتہ خود وجود کو اپنے موجود ہونے میں کسی دوسرے وجود کی حاجت نہیں اور یہ بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ ہر شئے کو اپنے روشن ہونے میں نور کی حاجت ہے مگر خود نور کو اپنی نورانیت میں دوسرے نور کی حاجت نہیں اب اگر دو یا کئی صانع ہوں اور وہ دونوں وجود میں اشتراک رکھتے ہوں تو ان دونوں کی ذات (یعنی وہ خصوصیات خاصہ جن سے ایک دوسرے سے امتیاز حاصل ہے) وجود کے ماسوا کوئی اور چیز ہو گی اور چونکہ وجود کے سوا سب چیزیں اصل سے معدوم ہیں، اس لئے ہر ایک خدائی حد ذاتہ وجود سے بالکل خالی ہو گا اور ان پر وجود اسی طرح

عارض ہوگا، جس طرح زمین آسمان وغیرہ سب چیزیں جو فی نفسہ تاریک اور ظلم تھیں مگر آفتاب کے نور نے ان سب کو روشن کر دیا اس صورت میں ہم دونوں خداؤں کو کسی طرح موجود اصلی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ دونوں بھی کسی ایسے موجود اصلی کے محتاج ہونگے جس کا وجود خود اس کی ذات کے اندر داخل ہوا ور ہمارا مقصد بھی توحید سے صرف اتناہی تھا کہ موجودات کا سلسلہ ایک موجود اصلی پر ختم ہوتا ہے چنانچہ یہ بات اس تقریر سے بخوبی حاصل ہوگئی کیونکہ جب موجودات دو خداؤں سے مثلاً پیدا ہوے اور وہ دونوں ایک موجود اصلی میں شریک اور اصلی سے معدوم ٹھہرے تو یہ معنی ہوے کہ موجود اصلی کا فیض ان دونوں کے واسطے سے اوروں کو پہنچتا ہے جیسے پرنالہ کے وسیلے سے چھت کا پانی نیچے آتا ہے اور آتشی شیشہ کے طفیل سے آفتاب کی سوزش دوسری چیزوں کو پہونچتی ہے اور قلعی دار آئینہ کے صدقہ سے آفتاب کا نور ان در و دیوار کو پہونچتا ہے جو آفتاب کے مقابل نہیں ہوتے ان تمام صورتوں میں سب کو معلوم ہے کہ چھت کا پانی پرنالہ کی راہ سے آتا ہے پرنالہ سے پیدا نہیں ہوتا آفتا کی سوزش آتشی شیشہ کی راہ سے آتی ہے آتشی شیشہ میں کچھ حرارت نہیں آفتاب کا نور آئینہ کی راہ سے اور اشیاء کو پہونچتا ہے آئینہ میں ذرہ برابر نور نہیں تو اسی طرح اگر بہت سے موجود اصلی اور بکثرت صانع موجود ہوں تو توحید میں کچھ رخنہ نہیں پڑ سکتا بلکہ اور یہ زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوجاتی ہے

کیونکہ فلک اور زمانہ جو باعتبار شہرت کے وقائع عالم کا فاعل گنا جاتا ہے یا انسان وحیوان وغیرہ جو ظاہر بینوں کو افعال اختیاریہ کے خالق معلوم ہوتے ہیں یا دوا اور دعا وغیرہ جو بہ نسبت اپنی تاثیروں کے موثر حقیقی سمجھے جاتے ہیں یہ سب چیزیں اس وقت بحیثیت اپنے فیوض کے وسیلۂ فیض اور واسطۂ ایجاد سمجھی جائینگی اور انکے خالق ہونے کا شبہ جو بعض ظاہر پرستوں کو پڑا ہوا ہے بے محنت حل ہو جائے گا اور اس وقت ہم باواز دہل یہ ندا دے سکینگے کہ ماسوا خالق بزرگ کے جو چیزیں ظاہر میں مصدر افعال یا مصدر تاثیرات نظر پڑتی ہیں وہ سب خدائے اکبر کے سامنے ایک کاریگر کے آلات کی طرح ہیں بادی النظر میں ان چیزوں سے کام ہوتا ہے اور حقیقت میں خدا کرتا ہے اعلیٰ طبقہ کے حضرات جیسے نبی ہوں یا ولی اور اونی درجہ کے

مثلاً دیو ہوں یا پری، اوتار ہوں یا فلک ہو، دوا ہو یا دعا، پتھر ہو یا کوئی جاندار چیز
زمانہ ہو یا مکان، چاند ہو یا سورج، ستارے ہوں یا اور کچھ، سب کے سب خدا کے
سامنے ایسے ہیں جیسے بڑھئی کے سامنے بسولہ، نہانی، برما وغیرہ فرمانبردار ہوتے ہیں کہ
کہ بے ہلائے اسکے نہیں ہلتے اور بغیر اس کی مرضی کے کوئی کام نہیں کر سکتے،

اور اس سارے سلسلۂ عالم کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشینوں اور کارخانوں اور
گھڑیوں وغیرہ میں بہت سی کلیں اور پرزے آگے پیچھے ہوتے ہیں پھر اگر کوئی کام
لینا منظور ہوتا ہے اول کل کو ہلاتے ہیں اور سب کلیں بہ ترتیب ہلتی ہیں اور آخر
میں جو کام مقصود ہوتا ہے وہ اخیر کی کل سے ہوتا ہے، اب ظاہر ہے کہ یہ کلیں خود بخود
نہیں ہلتیں کیونکہ وہ بحیثیت حرکت جمادات میں سے ہیں انکے واسطے جبتک کوئی
ذی عقل اور صاحب ارادہ کام لینے والا نہ ہوگا ہرگز کام نہ چلیگا اسیطرح سلسلۂ عالم
کیواسطے علت العلل اور فاعل حقیقی ایک خدائے تعالیٰ ہے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ فعل
اور حقیر سے حقیر چیز بھی اس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی
اور کسی شئے کو اس کی سطوت اور حکومت کے آگے دم مارنیکی مجال نہیں جو کچھ
وہ چاہے اسمیں کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا اور مقرب سے مقرب بندے بھی اسکے
دربار میں بغیر اس کی اجازت کے لب نہیں ہلا سکتے یہی وہ عقیدہ ہے جسکی طرف
اسلام نے نہایت زور شور کیساتھ دعوت دی ہے یہی خیال آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی تعلیم کا سنگ بنیاد ہے اور اسی مضمون کی اشاعت تمام انبیاء کی بعثت
کا مقصد اولین ہے،

اس میں شک نہیں کہ تمام دنیا کے مذاہب میں توحید کی فی الجملہ جھلک پائی جاتی ہے
اور جن مذاہب میں شرک صریح کی تعلیم موجود ہے وہ بھی توحید کے بالکلیہ ترک
کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ توحید کے چھوڑنے سے یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ شرک کو
توحید کے ساتھ جمع کر لیا جائے اگرچہ یہ اجتماع اجتماع نقیضین ہی کیوں نہ ہو، لیکن
یہ عزت خاص مذہب اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے بالکل خالص اور بے لوث
توحید کیطرف لوگوں کو رجوع کیا اور شرک جلی یا خفی کا تسمہ بھی لگا نہیں رکھا اس
جہالت اور تاریکی کے زمانہ میں جبکہ دنیا میں خالص توحید سے بڑھکر کوئی گناہ

نہ تھا، ہزاروں بندگان خداکو توحید سے مانوس بنادیا اور آجتک کروڑہا کروڑ انسانوں کے دلوں سے شرک فی الذات شرک فی الصفات اور شرک فی العبادۃ کی ظلمتوں اور کدورتوں کو دھوڈالا،

کیا اسلام کی اس بے غل وغش توحید کا مقابلہ اس قوم کی توحید کرسکتی ہے جسنے خدا کے سوا ہر اینٹ پتھر کے سامنے گردن ڈالدی اور آگ پانی وغیرہ کو بھی قابل پرستش سمجھا اور اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مورتیونکو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کیا، اس قوم کی جنکے خدا کی تکمیل مادہ اور روح سے ہوتی ہے انکا کمزور خدا ان دونوکے منشاء کے خلاف نہ کبھی کوئی کارروائی کرسکتا ہے اور نہ انسے بگاڑ کر ایکدم اپنی خدائی کو قائم رکھ سکتا ہے یا اس قوم کی جنکا مثلث خدا اپنی کرسی عظمت سے اتر کر تمام انسانی حوائج اور بشری خصوصیاتکا محکوم بنا اور بنی آدم کی خطائیں معاف کرنیکے واسطے اسکو سخت تکالیف اور مشقتیں برداشت کرنا پڑیں، یا اس قوم کی جنکا خدا خلقت کے بے سوچے سمجھے پیدا کرنے پر سخت نادم ہوا اور دنیا میں طوفان آجانیسے اسے بیحد ملول ہونا پڑا یہانتک کہ روتے روتے اسکی آنکھیں سوج گئیں اور ملائکہ کو اسکی عیادت کرنی پڑی اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب اسکی کشتی ہوئی تو انہوں نے اسکو زمین پر پٹک دیا،

کیوں منصفو! کیا ایمان سے کہہ سکتے ہو کہ آج صحیح اور مکمل توحید ان میں سے کس مذہب کی بدولت دنیا میں نظر آرہی ہے،

نبوّت

ان تمام مراحل کے بعد جو ہمنے یہانتک طے کئے ہیں سب سے زیادہ ضروری اور معرکۃ الآرا بحث جو باقی رہجاتی ہے وہ نبوّت کی بحث ہے اور افسوس کہ جسقدر وقت اس کیلئے درکار ہے اسکا عشر عشیر بھی ہمارے پاس موجود نہیں لیکن اسپر بھی ہمنے یہ کسی حال میں مناسب نہیں سمجھا کہ اسلام کے اتنے بڑے رکن اعظم کو بالکلیہ قلم انداز کردیا جاوے ہاں یہ ممکن ہے کہ یہانپر ایک اجمالی بحث اس کے متعلق لکھکر تفصیل تمام کو اسی ضخیم کتاب کو دیر اٹھا رکھیں جس کی امید ہم پہلے دلا چکے ہیں تاکہ ہمارے سامعین کے دلوں میں اگر کوئی گھبراہٹ اور تشویش پیدا ہو تو وہ اس سے اپنی تسکین کرلیں،

نبوّت کا عقدہ حل ہونے سے پہلے ہر انسان پر یہ فرض ہے کہ وہ اسباب اطاعت پر غور کرے یعنی یہ کہ ایک آدمی کی اطاعت دوسرے پر عقلاً کن حالتوں میں اور کن وجوہات سے ضروری سمجھی جاتی ہے اس بارے میں جہانتک تامل سے کام لیا گیا کل تین سبب اسکے متعین ہوئے، جلبِ منفعت، دفع مضرت اور عشق و محبت، چنانچہ نوکر اپنے آقا کی اطاعت ملازمت کی امید پر اور رعیت اپنے حاکم کے اندیشۂ تکالیف سے اور عاشق اپنے محبوب کی بتقاضاء محبت کرتا ہے اور اطاعت کی کوئی ایک فرد بھی ایسی نظر نہیں آتی جو ان تینوں وجوہات سے خالی ہو اب اگر یہ تینوں سبب فرض کرو کسی ایک ہی شخص میں جمع ہو جائیں تو فطرت انسانی یقیناً اسکی خدمت و اطاعت کو فرض عین قرار دے گی پس جبکہ پچھلے اوراق میں حق تعالیٰ شانہ کی نسبت مدلّل طریقہ سے یہ طے ہو چکا ہے کہ دنیا کے تمام کام اسی کے ارادہ اور اختیار سے انجام پاتے ہیں اور ہر قسم کی داد و ستد، سلب و عطا، اور نفع و ضرر اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر قسم کا کمال اور حسن و خوبی اسی کی ذات اقدس میں موجود ہے اور اسکے سوا کوئی عالم کا مربّی اور محسن بھی نہیں ہے تو بے شبہ عقل کے نزدیک ایسی خدا کی عبادت سے سر مو انحراف جائز نہ ہوگا اور یہ لازم ہوگا کہ اسی کی خدمت گذاری میں آدمی مصروف رہے اسی کا ہر دم دھیان رکھے اور اسی کی محبت میں اپنے کو دیوانہ بنائے، جئے تو اسی کے نام پر جئے، اور مرے تو اسی کا کلمہ پڑھتے مرے غرض کسی حالت میں اس سے جدا نہو وے اور ظاہر و باطن میں اسی کا تابع فرمان رہے ،

باطن کی فرمانبرداری تو یہی ہے کہ دل میں خدائے تعالیٰ کے متعلق یہ یقین ہو کہ ہماری ہستی اس کی ہستی کے سامنے بالکل حقیر اور اسکا وجود ہر طرح پر عظمت اور کامل و مکمل ہے، ہمارے ہر قسم کے نفع و نقصان کا اختیار اسکو ہے اور وہ ہمارا حاکم ہم محکوم ہیں اسمیں اعلیٰ درجہ کی شانِ محبوبیت موجود ہے اور ظاہری فرمانبرداری وہ افعال و حرکات ہیں جن سے ہمارے انہیں اندرونی جذبات اور باطنی اعتقادات کا سراغ ملتا ہو اور خدا کی محبوبیت کا خیال ان سے مترشح ہوتا ہو،

مثلاً خدائے تعالیٰ کے سامنے اس کی خاص تجلی گاہ کیطرف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا اس سے اپنے حال کے متعلق عرض معروض کرنا ادھر سے حکم آجانے پر سر نیاز

جھکا دینا، اور اس کے آستانہ پر اپنے کو ذلیل و حقیر سمجھکر ناک اور پیشانی رگڑنا یہ سب آثار محکومیت اور آداب شاہی کے قائم مقام ہیں، علیٰ ہذا القیاس، اپنے مال و دولت کو خدا کے بتلائے ہوئے مصارف میں خرچ کرنا اور ہر آمد و صرف میں اس کے حکم کا منتظر رہنا یہ بھی سراپا اطاعت ہونیکے لوازمات میں سے ہے،

پھر اگر خدائے تعالے کو محبوب حقیقی سمجھتا ہے تو اس کے قرب و وصل کی فکر میں ہر ایک ماسوا سے بیزار ہو جانا آب و طعام اور لذت جماع کو (جو کہ خلاصہ تمام کائنات کا ہے) ترک کر دینا اس کے بعد تجلی گاہ ربانی کی طرف پا برہنہ سر برہنہ لبیک کہتے ہوے دوڑنا اور وہاں پہونچکر کبھی حالت شوق و وجد میں اس تجلی گاہ کے گرد گھومنا کبھی جنگلوں میں بھٹکتے پھرنا، کبھی دشمن محبوب کے خاص مکان پر سنگ باری کرنا اور کبھی جان و مال سے فدا ہونے کے لئے تیار رہنا یہ سب محبت قلبی کی علامات اور عشق حقیقی کے ظاہری نشانات ہوں گے، الغرض یہ امر تو اب عقلاً پایہ ثبوت کو پہونچ گیا ہے کہ دل سے زبان سے ہاتھ پاؤں سے جس طرح بھی بن پڑے آدمی اپنے خالق کی اطاعت کی طرف متوجہ رہے، اور ہرگز پیٹھ دے کر دوسری جانب منہ پھیرے، لیکن سخت مشکل یہ ہے کہ کسی کی اطاعت بغیر اس کے متصور نہیں کہ ہم کو اس کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں کا علم ہو اور خدائے تعالیٰ کی نسبت یہ دریافت کرنا کہ وہ کن امور سے خوش اور کن امور سے ناخوش ہوتا ہے ہر شخص کی قدرت سے باہر تھا، کیونکہ محض اپنی عقل سے اگر ہم نے چند احکام معلوم کر لئے تو اول تمام احکام کی تفصیل اس سے معلوم نہیں ہو سکتی، دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ شانہ ہماری عقل کا ہر بات میں پابند بھی نہیں ہو سکتا اس بنا پر خدائے تعالیٰ کی اطاعت و عبادت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ خود خدائے برتر اپنی رضا و عدم رضا سے بندوں کو مطلع فرمائے،

اور یہ خوب معلوم ہے کہ جب سلاطین دنیا اس تھوڑی سی نخوت و تکبر اور ذرا سے جھوٹے استغناء پر ہر دوکان، دوکان اور مکان، مکان اپنے احکام سناتے نہیں پھرتے، اور نہ ان کو یہ گوارا ہے کہ ہر کس و ناکس کو اپنے مافی الضمیر کی اطلاع کے واسطے ہمکلامی بخشیں تو کیا وہ احکم الحاکمین وراء الوراء ثم وراء الوراء۔

جسکو تمام عالم سے بالکل استغنا اور سب چیزوں کو اس کی احتیاج ہے ہر ایک عام و خاص اور ہر ایک رندہ بازاری کو منہ لگانا اور اپنی حضوری و ہم کلامی سے باریاب فرمانا پسند فرمائیگا جب ایسا نہیں تو بیشک خدا کے یہاں بھی کچھ لوگ ایسے خاص ہونگے جیسے بادشاہوں کے یہاں وزیر یا نائب السلطنت یا وائسرائے اور جیسا کہ تمام سرکاری احکام رعایا کے پاس انہیں صاحبوں کے توسط سے پہونچتے ہیں ایسے ہی خدا کے پیام اور امر و نواہی ان معتمدین کے ذریعہ سے ہم تک موصول ہونگے ہم انہیں معتمدین کو انبیاء رسول اور پیغمبر کہتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ جس زمانہ میں خدائے تعالیٰ سمجھتا ہے ایسے رسولوں کو اس زمانہ کے مناسب ہدایات دیکر مبعوث فرما دیتا ہے،

یہاں پر آپکو شاید یہ شبہ گذرے کہ مختلف قرون میں جب انبیاء علیہم السلام تشریف لاوینگے اور ظاہر ہے کہ انمیں سے مؤخر کی شریعت مقدم کی شریعت کیواسطے ناسخ ہوگی تو وہم ہوتا ہے کہ پہلے نبی کے بھیجنے میں شاید خدائے تعالیٰ سے کچھ سہو ہوگیا تھا یا بھول چوک سے اس کو مناسب احکام دئیے تھے جو دوسرے نبی کے ذریعہ سے اس غلطی کی اصلاح کرائی گئی مگر یہ شبہ آپ کا سراسر کم فہمی اور کج دلی پر مبنی ہے نسخ کے معنی صرف تبدیلی احکام کے ہیں یہ آگے آپ کا قیاس ہے کہ وہ تبدیلی پہلی غلطی کی اصلاح کی وجہ واقع ہوئی ہوگی،

خدائے برتر کی نسبت ایسا خیال باندھنا سخت گستاخی ہے،

آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ طبیب اگر کسی مریض کو مسہل دینا چاہتا ہے تو اس کے لئے پہلے منضج کا نسخہ تجویز کرتا ہے، چند روز بعد وہ نسخہ بدل کر مسہل کا نسخہ پلاتا ہے تو کیا آپ نے اس طبیب کی نسبت کبھی یہ رائے قائم کی ہے کہ اس سے منضج کا نسخہ دینے میں غلطی ہوگئی تھی جسکی مکافات وہ دوسرے نسخے سے کر رہا ہے، جب یہاں آپ نے ایسا نہیں سمجھا تو خدائے تعالےٰ کے معاملہ میں آپکو کس چیز نے مجبور کیا ہے کہ بلا وجہ ایک ایسا مہمل خیال پیدا کرلیں کیوں یہ نہیں مان لیتے کہ اس نے بھی ہر زمانہ کی طبیعت اور مزاج کا اندازہ کرکے اس کے موافق مختلف احکام جاری کردیئے ہیں، اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں باقی یہ خلجان کہ کیا خدائے برتر اس پر قادر نہ تھا کہ ابتدائے عالم میں ہی کوئی ایسی مکمل کتاب ہدایت کے لئے نازل فرما دیتا جس میں

ہر زمانہ کے تغیرات کی رعایت کر لیجاتی اور اس کی حاجت نہ رہتی کہ بار بار وہ اپنے سچے الہام میں دست اندازی کرے اس کی بابت میں عرض کرتا ہوں کہ بیشک خدا اگر اس پر قادر تھا تو کیا اس پر قادر نہ تھا کہ بغیر نطفہ اور خون بننے، رحم مادر میں پرورش پانے اور بتدریج نشو و نما کرنے کے ایک کامل و مکمل انسان دفعتاً پیدا کر دیتا (جیسا کہ آریہ سماج اپنے چار رشیوں کی نسبت کہتے ہیں) یا بغیر تخم ریزی اور آب پاشی وغیرہ سامان زراعت کے خودبخود تمام نباتات کو زمین سے اگا دیتا اگر اس نے باوجود قدرت کے ان جسمانیت میں (نعوذ باللہ) یہ دوسری اٹھائی تو روحانیت میں بھی اس کو اپنی اسی عادت سے معذور سمجھنا چاہئے اور اگر وہاں اس تدریجی ترقی میں کچھ خاص حکمتیں و مصلحتیں متحقق ہو سکتی ہیں تو یہاں اسی قسم کی مصلحتوں کا لحاظ کرنے سے کون چیز مانع ہے،

بہرکیف اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ عین حکمت اور رحمت ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ ان مختلف تخم ہائے اخلاق کی (جو ازل سے قلوب بنی آدم کی زمینوں میں ڈالدیئے گئے ہیں) تربیت اور نشو و نما کیواسطے اپنی رحمت کے بادل بھیجے اور بادلوں کے برسنے سے جس زمین میں جیسا کچھ اچھا یا برا بیج بویا گیا ہے، اس کو ترقی اور نشو و نما حاصل ہو وہ برہائے رحمت جیسا کہ بلالؓ اور سلمانؓ کے کھیتوں کو سرسبز و شاداب کریں ایسے ہی ابوجہل وغیرہ کے دلوں میں جو کفر و شقاوت کا بیج بکھیرا گیا ہے اس میں بھی جان تازہ ڈالدیں ان ہی سحابہائے معارف کو انبیاء کہا جاتا ہے انکے اثر کو تقویت پہنچانیوالوں کا نام ملائکہ ہے اور انکی تدبیر کی رہزنی کرنیوالوں کو شیاطین کا لقب دیا جاتا ہے،

ملائکہ اور شیاطین

ملائکہ اور شیاطین کا لفظ سنکر بعض منکرین کو شاید ہم پر غصہ آجائے اور وہ اس قصور پر کہ ہم نے ان کے نزدیک چند فرضی چیزوں کا نام لے دیا ہے کہیں ہمارے تمام سابق بیانات کو واقفیت سے دور نہ سمجھ بیٹھیں اس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کی بھی کچھ مختصر تشریح کر دی جائے،

یہ خوب یاد رہے کہ باجماع اہل عقل جسم انسان کی ترکیب چند ایسے مختلف عنصروں نے

دی گئی ہے جن میں سے ایک عنصر کی تاثیر دوسرے کے مخالف اور متضاد ہے مثلاً بدن انسان میں گرمی کے آثار پائے جانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قوام میں کوئی حصہ آگ کا موجود ہے اور سردی کی کیفیات محسوس ہونے سے جزو ہوائی کا تیقن ہوتا ہے، اور خشکی سے جزوِ خاکی کا ثبوت اور تری سے جزوِ آبی کا پتہ چلتا ہے گویا کہ مٹی، پانی، ہوا، اور آگ میں سے ہر ایک کا بقدر مناسب حصہ لیکر جسم کا خمیر بنایا گیا ہے اس کے بعد جب حکماء نے دیکھا کہ جو آدمی پیدا ہوتا ہے اس میں یہ چاروں اجزاء ضرور ملے ہوئے ہوتے ہیں تو انہوں نے ایسے چار خزانوں کا کھوج لگایا جن میں یہ چاروں چیزیں الگ الگ بافراط موجود ہوں اور جن میں سے تھوڑا تھوڑا لیکر خدائے تعالیٰ نے آدم کے جسم کو ترکیب دیا ہو، اس قسم کے چار خزانوں کے نام انھوں نے کرۂ ارض، کرۂ ہوا، کرۂ نار، اور کرۂ آب، اور ان میں سے ایک ایک کو، حرارت، برودت رطوبت، یبوست کا منبع اور معدن قرار دیا،

ٹھیک اسی طرح روح انسان کی ترکیب اور اس کا امتزاج ایسے دو متضاد اور معارض اجزاء سے واقع ہوا ہے جس کی بنا پر انسان کبھی نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے، اور کبھی بدی کی طرف اس کی رغبت ہوتی ہے کیونکہ جس طرح کسی نے خدائے تعالیٰ کو آدم کا خمیر بناتے نہیں دیکھا بلکہ صرف یہ سمجھکر کہ رطوبت، اور یبوست مثلاً دو متضاد اثر ایک ہی چیز سے پیدا نہیں ہوتے، یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ یقیناً جسم کی ترکیب آب و خاک وغیرہ سے ہوئی ہے، اسی طرح طاعت و معصیت کی طرف میلان جو ایک ہی آدمی سے متفرق اوقات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے اس کے بغیر جوڑ نہیں کھاتا کہ روح کی ترکیب بھی دو مختلف قسم کی اشیاء سے مانی جاوے،

اور جب یہ ہے تو جیسا کہ عناصر جسم کے لئے علیحدہ علیحدہ چار مخزن تسلیم کر لئے گئے تھے ایسا ہی ان دونوں روحانی جزوں کے واسطے بھی مخلوقات میں دو مخزن مان لئے جاویں تو کیا استبعاد ہے، پس خدا کی وہ مخلوق جس میں ہمیشہ امور خیر اور نیکی ہی کی طرف توجہ پائی جاوے اور ان کا طبعی اقتضاء طاعت ہی ہو اور ان کی صرف یہی شان ہو کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ اسی مخلوق کو ہم ملائکہ اور فرشتوں سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں

وہ گروہ جس کی طبیعت میں معصیت ہی معصیت رکھی ہو اور اطاعت و عبادت سے اس کا پیمانہ بالکل خالی ہو، اور اس کی حالت محض وَکَانَ الشَّیْطَانُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا ہی سے ادا کیجا سکتی ہو ایسے گروہ کو ہم شیاطین کا لقب دیتے ہیں ؎

اس پر بھی اگر ہم سے کوئی مہربان آریہ دریافت کریں کہ گو عقلی دلائل سے ایسی چیزوں کا وجود ثابت ہو سکتا ہے مگر ہم نے اور کسی نے آجتک ان کو نہیں دیکھا اور رجماً بالغیب ایمان لانیکو ہمارا دل گوارا نہیں تو ہم ان حضرات کی خدمت میں بادب گذارش کرینگے کہ آپ نے وہ تین حصے بذات خود روشن دنیا کے جو ہماری دنیا سے بالکل علیحدہ ہیں اور جنکا ذکر یجروید کے تیسرے منتر میں موجود ہے کب اور کس وقت اور کس جگہ مشاہدہ کیئے ہیں اور اگر کیئے ہیں تو کیا آپ دوسرے لوگوں کو انکا مشاہدہ کرانیکے لئے تیار ہیں دیکھئے اب آپ خود اس منتر کا ترجمہ بھاشیہ بھومکا صفحہ میں ملاحظ فرمائیے کہ گذشتہ و آئندہ و موجودہ جس قدر کائنات ہے اس سب کو پر اسی پرش کے مہما یعنی عظمت کا نشان سمجھنا چاہیئے"

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ محدود کائنات کو اس کی عظمت کا نشان بنانے سے اس کی عظمت محدود ہو جاتی ہے اس کا جواب اسی منتر میں آگے دیتے ہیں کہ اسکی عظمت اسپر محدود نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور غیر محدود ہے پرکرتی سے لے کر زمین تک تمام (لطیف و کثیف) کائنات اس غیر متناہی قدرت والے ایشور کے ایک پہلو میں قائم ہے اس کی ذات پر نور میں امرت (عالم عرفانی یا موکش کا سکھ) موجود ہے یعنی تین حصہ کائنات عالم لطیف و روشن میں موجود ہے گویا غیر روشن دنیا ایک حصہ ہے اور بذات خود روشن دنیا اس سے لگی ہے اور وہ ایشور عین راحت موکش سوروپ حاکم کل معبود کل عین مسرت اور سب کو روشن و منور کرنے والا ہے" اتنی عبارت کے سننے کے بعد بھی کیا ہندوستان کی پر جوش سوسائٹی کا کوئی ممبر جن و ملک یا بہشت و دوزخ کے وجود سے انکار کر سکے گا،

نبی کی علامات

منکرین کے شبہات کا حل کرنے میں چوں کہ اب ہم اپنے اصلی مقصد سے دور نکل گئے ہیں اس لئے ہمکو اسی طرف پھر عود کرنا چاہئے اور یہ بتلانا چاہئے کہ کسی شخص کو رسول برحق ماننا کن شرائط پر موقوف ہے آیا جو کوئی بھی دعوۂ نبوت زبان سے کرنے لگے یا جو کوئی بھی دنیا کو چند عجیب و غریب تماشے دکھلا دے یا جو کوئی بھی دو چار ہزار مرید جمع کرے اسی کو ہم نبی اور پیغمبر مان لیں یا نبوت کیواسطے کوئی معیار ایسا تجویز کیا گیا ہے جسکے ذریعہ سے ماہر طبیبوں کو اشتہاری حکیموں سے جدا کیا جاسکے رہبر اور رہزن کے پہچاننے میں دھوکہ نہ لگے اور محافظوں کی جماعت پر لٹیروں کا اشتباہ نہ ہو،

بلاشبہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جبکہ انبیاء علیہم السلام خدا کے معتمد اس کے وکیل اس کے رازدار اور اسکے نائب ہیں تو انکی ذات میں ایسے پاکیزہ اوصاف اور حقیقی خوبیاں مجتمع ہونی چاہئیں جو ایک ایسے باخبر شہنشاہ اعظم کا قرب حاصل کرنیکے لئے درکار ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ سلاطین دنیا بھی جنکو کچھ عقل ہو باوجود اس مجازی حکومت کے اپنی مسند قرب پر ان لوگوں کو نہیں بٹھلاتے جو بے عقل، کج خلق، پست حوصلہ یا حکومت کے دشمن ہوں، چہ جائیکہ خدائے برتر اپنے منصب وزارت کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب کرے جنکی اخلاقی حالت نہایت پست عملی حیثیت نہایت ذلیل اور عقلی قوتیں نہایت کمزور ہوں وہ بجائے ہدایت پھیلانے کے گمراہ کرنے میں زیادہ مشتاق ہوں اور لوگوں سے بمقابلہ خدا کی عبادت کرانے کے اپنی پرستش کے زیادہ متمنی ہوں اگر نعوذ باللہ خدائے عزوجل ایسا کرے تو یوں کہو کہ وہ خدا بالکل بے خبر اور جاہل بندوں سے عداوت رکھنے والا ہے جسکو اتنی بھی خبر نہیں ہے کہ میں جس شخص سے جو کام لینا چاہتا ہوں وہ اس کی اہلیت نہیں رکھتا،

تو اس صورت میں یہ واجب ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں اولاً تو خدا کی محبت اور اخلاص اسدرجہ ہو کہ ارادۂ معصیت کی گنجائش ہی نہ نکلے۔ دوسرے یہ کہ اخلاق پسندیدہ جو اعمال حسنہ کی جڑ ہیں، انکے اندر فطرتی طور پر راسخ ہوں تاکہ جو کام بھی وہ کریں قابل اقتداء ہو جو فعل بھی انسے سرزد ہو باعث ہدایت سمجھا جائے تیسرے یہ کہ فہم و فراست انہیں ہستیوں کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی ہو کیونکہ کم فہمی فی نفسہ عیب ہونیکے علاوہ اسوجہ سے بھی انکے حق میں مضر ہے کہ کلام خداوندی کے اسرار غامضہ کا سمجھنا اور دقیق علل پر مطلع ہونا اور ہر ایک ذکی و غبی کو احکام الٰہی

دلنشیں طریقے سے سمجھا دینا بغیر عقل صحیح اور فہم کامل کے ہرگز متصور ہی نہیں، یہی تین اصول ہیں جو ایک مدعی نبوت کی صداقت کا ہمکو ایک ایسے زمانہ میں پتہ دے سکتے ہیں جس میں کسی نبی کی بعثت کا احتمال ہو سکتا ہو باقی معجزات وہ اگرچہ اصل نبوت کے اعتبار سے ضروری نہیں لیکن مدعی نبوت سے ان کا صادر ہونا بیشک اس کی راست بازی کی دلیل ہے کیونکہ اگر ایک شخص مثلاً سلطان روم کے روبرو لوگوں سے یہ کہے کہ میں سلطان کا معتمد اور محبوب ہوں اور اس کی دلیل یہ بیان کرے کہ دیکھو جس طرح میں ان سے کہوں گا برابر وہ اسی کے موافق کرینگے اور جو فرمائش کرونگا اس کو پورا کر کے دکھلائیں گے یہ کہہ کر سلطان کو کھڑا ہونیکی صرف اشارہ کرے اور کھڑے ہو جائیں پھر ان سے بیٹھنے کو کہے اور وہ فوراً بیٹھ جائیں اور اسی طرح لگاتار بہت سے کاموں کی خواہش کرتا رہے اور وہ بھی ایک ذرہ اس سے خلاف نہ کریں اور فرض کرو کہ وہ سب کام سلطان کی عادت مستمرہ اور مزاج کے خلاف بھی ہوں تو کیا کسی جاہل اور معاند کو بھی ایسی حالت میں اس شخص کے دعوے کی تصدیق میں کچھ تردّد رہے گا، اور کیا کوئی بیوقوف بھی یہ حجت کرے گا کہ دعویٰ تو اس کا محبوب اور معتمد ہونے کا تھا اور اس کے معتمد ہونے اور سلطان کے کھڑے ہونے میں کوئی مناسبت نہیں اس لئے ---------

اس سے ہم پر کوئی استدلال نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ سلطان اپنی زبان سے اسکے معتمد ہونے کا اقرار نہ کرے،

ایسے ہی احمق سے کہنا چاہئے کہ تصدیق دعویٰ دو طرح پر ہوتی ہے ایک حالی اور ایک قالی تو گو اس جگہ زبانی اور قولی تصدیق سلطان کی جانب سے نہیں پائی گئی مگر حالی تصدیق جو اس سے بھی بڑھکر ہے حاصل ہو گئی یہی حال بعینہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ہوتا ہے کہ وہ اپنی نسبت خدا کا وزیر اور معتمد ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں اور خدا ہر وقت اور ہر جگہ ان کے دعویٰ کو سنتا ہے پھر وہ عادت اللہ کے خلاف بہت سے کاموں کی فرمائش کرتے ہیں تاکہ ان کے دعویٰ کی سچائی دنیا پر ظاہر ہو جاوے اور خدائے تعالیٰ برابر ان کے حسب مدعا فرمائشوں کو پورا فرماتا رہتا ہے تو کیا منجانب اللہ یہ ان کے دعویٰ کی حالی تصدیق نہیں ہوئی اور ظاہر ہے کہ جھوٹے آدمی کی

تصدیق کرنا خود جھوٹ کی ایک قسم ہے تو اس سے (اس مدعی کے کاذب ہونے کی صورت میں) خدائے برتر کا کذب ثابت ہوا (نعوذ باللہ منہ) حالانکہ خدائے تعالیٰ کا خالق کذب ہونا تو ضروری لیکن قولاً و عملاً کاذب ہونا محال ہے،

اب اگر کسی کو یہ وہم گذرے کہ یہ سب تقریر اس وقت قابل تسلیم ہے جبکہ معجزہ یا خوارق عادت کا وجود ممکن ہو حالانکہ اسکا امکان ابھی محل تردد میں ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہم معجزہ اسی کو کہتے ہیں کہ جو عقلاً محال نہ ہو لیکن خلاف عادت ہو اور خلاف عادت کے بھی یہ معنی ہیں کہ عام عادت کے خلاف ہو کیونکہ معجزہ بھی ہمارے نزدیک خدا کی خاص عادت ہے جو خاص خاص اوقات میں خاص خاص مصلحتوں سے ظاہر ہوتی ہے اور جیسا کہ زید مثلاً ہمیشہ سے قمیص پہننے کا عادی ہو، مگر عید کے روز ہمیشہ اچکن پہنا کرے تو گو اچکن پہننے کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ زید کی عام عادت کے خلاف ہے مگر ایک حیثیت سے یہ بھی اس کی عادت میں داخل ہے اسی طرح آگ سے کسی چیز کا جلا دینا اگرچہ خداوند تعالیٰ کی عام عادت لیکن بعض وقت میں جبکہ کسی نبی کی تصدیق یا اور کوئی مصلحت ملحوظ ہو تو آگ سے وصف احراق سلب کر لینا بھی اس کی عادت ہے کیونکہ ثابت ہو چکا کہ تمام اسباب و مسببات میں جو کچھ تاثیر ہے وہ خدا کے ارادہ سے ہے وہ جب چاہتا سبب کے وجود کو مسبب سے اور مسبب کے وجود کو سبب سے علیحدہ کر سکتا ہے تو جب مشاہدہ یا نہیں ثقہ راویوں کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ ایک شخص نے دعویٰ نبوت کیا اور بہت سے معجزات دکھلائے اور تمام عمر میں کسی ایک بات میں بھی اس کے کہنے کے خلاف نہ ہوا تو بے شک و شبہ ایسے شخص کو نبی سمجھنا چاہیے کیونکہ نبی کاذب کی تصدیق خدائے تعالیٰ قولاً یا عملاً ہرگز نہیں کر سکتا، اور وہ اگر ایسا کرے تو بن منجملہ رحمت نہ ہوگا،

مجھکو افسوس ہے کہ ہمارے زمانے کے بعض عقلاء کو معجزات کے عقلی اور وقوعی ہونے سے انکار ہے اور طرفہ تماشہ یہ کہ وقوع کی صورت میں وہ ان کے نزدیک دلیل نبوت بھی نہیں ہو سکتے کیوں کہ ان کو اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ موسیٰ کے نبی ہونے اور لاٹھی کے سانپ بن جانے میں کیا تعلق پایا جاتا ہے

جو ایک سے دوسرے پر استدلال ہو سکے،

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

میرا قصد تھا کہ اس بحث کو نہایت تفصیل کیساتھ لکھتا اور ان عقلاء کے خیالات کی پوری جانچ کرتا مگر تنگی وقت سے مجبور ہو کر اس مسئلہ کو بھی دوسرے مسائل کی طرح اسی کتاب موعود کے حوالے کرتا ہوا خاص سرور کائنات آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم رسالت کے متعلق کچھ تھوڑا سا لکھنا چاہتا ہوں،

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت

اس بدیہی معیار رسالت کے مان لینے کے بعد جو میں عرض کر چکا ہوں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت بالکل آسان ہو جاتا ہے کیونکہ آپکے بے شمار علمی و عملی کارنامے اس وقت بھی دنیا کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہیں اور نہ تمام اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے معجزات ملکر آپ کے معجزات کی ہمسری کر سکتے ہیں آپ کے فہم و اخلاق کا موافق و مخالف کو اعتراف کرنا پڑا ہے اور چار دانگ عالم میں آپ کی صداقت کا سکہ بیٹھ گیا ہے اور دنیا کے ہر خطہ میں آپ کا آفتاب فیض لمعہ افگن ہے،

جب ایک غیر متعصب اور عقلمند آدمی آپکے احوال کا انبیاء سابقین کے احوال سے اور آپ کی تعلیم کا ان کی تعلیم سے اور آپ کی قوت و ہمت کا انکی قوت و ہمت سے مقابلہ کریگا تو یہی اس کیلئے ضروری ہوگا کہ آپ کی محض صداقت کا نہیں بلکہ رسالت کا اور رسالت کا نہیں بلکہ ختم رسالت کا زبان و دل سے اقرار کرے عرب کی جہالت درشت مزاجی گردن کشی کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی کتاب اس کے پاس آسمانی ہو نہ زمینی اور اس کے اخلاق کا یہ حال کہ قتل و غارت وغیرہ ایک معمولی حرکت ہو عقل و فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پوجنے لگے اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کرے جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے ملک میں شاد و خرم عمر گذارے

ایسے جاہلوں اور خود سروں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا چہ جائیکہ علم الٰہیات علم معاملات علم عبادات، علم اخلاق، اور علم سیاست مدن میں رشک حکما نامدار بنا دیا یہاں تک کہ دنیا نے ان کی اور انکے شاگردوں کی شاگردی کی۔ ڈاکر لیبان کہتا ہے "اس پیغمبر اسلام اس نبی امّی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگذشت ہے، جسکی آواز نے ایک قوم ناہنجار کو جو اسوقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہیں آئی تھی، رام کیا اور اسدرجہ پر پہنچایا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر دیا اور اس وقت بھی وہی نبی امّی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگان خدا کو کلمۂ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے"،

اگر انصاف کرو تو آپ کے حسن اخلاق کا اندازہ کرنیکے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نہ کہیں کے بادشاہ تھے نہ بادشاہ کے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے نہ کچھ زیادہ مال و دولت آپنے جمع کر رکھا تھا نہ باپ دادا نے کوئی اندوختہ میراث میں چھوڑا تھا نہ آپکے پاس تنخواہ دار فوج تھی نہ اہل وطن آپ کے ہمراہ تھے نہ قبیلہ والوں کو آپکے مذہب سے ہمدردی تھی، ایسی بیکسی اور بے بسی کی حالت میں آپنے ان تند خو گنواروں کو ایک صدائے نامانوس سے مخاطب کیا کہ جس سے بڑھکر اسوقت تک ساری دنیا میں کوئی مکروہ آواز نہ تھی اور نہ ایسی صدا دینے والے سے زیادہ ان کے نزدیک کوئی شخص انکا دشمن اور بدخواہ سمجھا جا سکتا تھا یہ وہی لا الٰہ الا اللہ کی آواز تھی کہ جس نے دفعتاً تمام عرب میں تہلکہ ڈالدیا جس سے باطل معبودوں کی حکومت میں بھونچال آنا شروع ہو گیا اور جس کی چمک سے اس کفر اور جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کوندگئی گویا وہ ایک زور شور کی ہوا تھی جس کے چلتے ہی شرک و بت پرستی کے بادل چھٹ گئے اور آفتاب توحید ابر کے پردہ سے باہر نکل آیا یا ابابیل رحمت تھی جس کی بوچھار نے مخلوق پرستی کے سیاہ ہاتھوں کے پرخچے اڑا دیئے اور خدا کے گھر کو ان کی زد سے بچا لیا،

غرضکہ ایک ایسے بے یار و مددگار نے ایسی سخت قوم کو ایسے ظلمت کے زمانہ میں ایسے اجنبی مضمون کیطرف ابھارا اور تھوڑے سے عرصہ میں ان سب کو ایسا مسخر اور گرویدہ بنا لیا کہ جہاں آپکا پسینہ گرے وہاں خون گرانے کے لئے طیار ہو گئے

گھر بار کو ترک کر دیا، زن و فرزند سے بگاڑ لی مال و دولت کو سنگ ریزوں سے زیادہ حقیر سمجھا اپنے بیگانوں سے آمادۂ جنگ و پیکار ہوئے کسیکو آپنے مارا کسیکے ہاتھ سے آپ مارے گئے پھر دو چار روز کا ولولہ نہ تھا بلکہ آپ کے بعد بھی اسی حالت پر استقلال کیساتھ جمے رہے یہانتک کہ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے فارس و روم کو تہ و بالا کر دیا اور اسپر معاملات میں وہ شائستگی رہی کہ کسی لشکری نے سوائے وقت جہاد کسی کی ایذا رسانی یا ہتک ناموس کو گوارا نہ کیا یہ تسخیر اخلاق بتلائیے اس سے پہلے نہ بعد میں کبھی کسی سے ظاہر ہوئی ہے اسپر بھی اگر کوئی یہی کہے کہ مذہب اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے تو فی الواقع اس سے زیادہ کور چشم تنگ دل متعصب کوئی نہیں ہو سکتا . . غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے اور وہ اپنے اسلام کا واقعہ ان کے سامنے بیان فرماتے یا سلمانؓ فارسی سے جا کر ان کی داستان سنتے یا عبداللہ بن سلام کی خدمت میں اپنا عذر پیش کرتے اور وہ انکو اسکا جواب سمجھاتے،

مگر یہ تو آپکے اخلاق کی حالت تھی باقی آپکے علم و فہم کا نشان سب سے بڑا یہی ہے کہ آپ بذات خود اُمّی محض، جس ملک میں پیدا ہوئے جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گذاری علوم سے یک لخت خالی نہ وہاں علوم دینی کا پتہ نہ علوم دنیاوی کا نشان پھر اس پر اتنا دین، ایسے آئین، ایسی کتاب لاجواب، اور ایسی ہدایات بینات لائے کہ جنکے بڑے بڑے حکما اسکا جواب نہ لا سکے بلکہ بڑے بڑے مدعیان عقل دنگ ہیں جسنے اس کی داد دی قرآن جیسا زندہ اور علمی معجزہ کس پیغمبر کو دیا گیا جسکا مقابلہ کیا باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار علوم و معارف کے اور کیا باعتبار تحریف و تبدیل سے محفوظ رہنے کے دنیا کی کوئی کتاب نہیں کر سکتی اور نہ انشاء اللہ تعالیٰ کر سکے گی قرآن کے حق میں ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ خود قرآن تیرہ سو برس سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے یعنی یہ کہ جس میں ہمت ہو وہ میرا جواب لکھدے مگر آجتک کسی کا حوصلہ نہ ہوا اور نہ ہوگا اس کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثال بھی پیش کر سکے،

اب میں اسکے سوا کیا کہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اپنی عادات و اخلاق میں

تمام انبیاء علیہم السلام سے فائق تھے ایسے ہی علوم کے بھی سارے مراتب آپ پر تمام کردئیے گئے تھے کیونکہ انبیا سابقین میں نہ ایسا اعجاز علمی کسیکو دیا گیا نہ انکے اتباع میں کسی نے ان علوم کے دریا بہائے جو اہل اسلام نے بہائے ہیں اور جبکہ صفت علم تمام ان صفات کی خاتم ہے جو مربی عالم ہیں تو جسکا اعجاز علمی ہوگا گویا اس پر تمام کمالات علمی کا خاتمہ کردیا جائیگا اور اسیکو ہمارے نزدیک خاتم الانبیاء کہنا مناسب ہوگا اور چونکہ اس کا دین قیامت تک رہیگا اس لئے اس کی کتاب کا بھی تا قیامت، باقی رہنا ضروری ٹھہریگا، باقی قرآن کے سوا جتنے نبوی و علمی ذخیرے ہیں ان کے بیان کی اسوقت بالکل گنجائش نہیں رہی، اور یہی تنگیٔ وقت کی وجہ سے توریت وانجیل وغیرہ کے بشارات آپ کی نبوت کے متعلق نقل کرسکا جس کسی کو شوق ہو اول مضمون کیواسطے حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی حجۃ الاسلام اور دوسرے کیلئے علامہ ابن القیم کی ہدایۃ الحیاریٰ کا مطالعہ کرے۔

البتہ اس اخیر موقع پر اسقدر عرض کردینا ضروری ہے کہ آپکے بعد جو علوم وفنون دنیا میں مسلمانوں کے ذریعہ سے پھیلے اور تمدن کے شعبوں کو ترقی ہوئی اس کا بھی قدرے اندازہ غیروں کی زبان سے ہم سامعین کو کراتے ہیں تاکہ جو لوگ مسلمانوں کو علم اور تمدن کا دشمن بتاتے ہیں اور پھر اس دشمنی کو انکی مذہبی تعلیم کا نتیجہ ٹھہراتے ہیں وہ بھی اپنی کم فہمی اور کوتاہ نظری سے کچھ شرمائیں، ترقی علوم وفنون کے متعلق اسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے جسکا خلاصہ نقل کرتا ہوں۔

سنہ ۷۴۹ء خلفاء عباسیہ کے عہد میں علوم وفنون حکمت کا ظہور ہوا اور المنصور سنہ ۷۵۴ء کے ایام حکمرانی سے ہارون رشید سنہ ۷۸۶ء تک بڑی فیاضی سے اسکی تربیت ہوئی بہت سے ملکوں سے اہل علم طلب کئے گئے اور پادشاہانہ سخاوت سے انکی بہت کچھ داد و دہش ہوئی اہل یونان وشام وایران قدیم کی عمدہ عمدہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہوکر شائع اور مشتہر ہوئیں خلیفہ مامون نے سلطان روم کو ساڑھے بارہ من سونا دینا اور ہمیشہ صلح رکھنا اس شرط پر منظور کی کہ لیو فیلسوف کو اجازت دیجائے کہ کچھ عرصہ کیلئے وہ یہاں آکر مامون کو فلسفہ وحکمت سکھا جائے فلسفہ حاصل کرنے کیلئے ایسی خطیر صرف کرنیکی بہت کم مثال ملیگی اس مامونکے زمانہ میں بغداد، بصرہ، بخارا، اور کوفہ میں بڑے بڑے مدرسوں کی بنا پڑی

اور اسکندریہ اور بغداد اور قاہرہ میں عظیم الشان کتبخانے بنائے گئے اسپین میں مدرسہ اعظم مقام قرطبہ کا بغداد کی علمی شہرت کی ہمسری کرتا تھا اور دسویں صدی میں جہاں دیکھو وہاں مسلمان ہی علوم کے حافظ اور سکھانیوالے نظر آتے تھے فرانس اور ممالک فرنگستان کے جوق جوق طالبعلم اندلس کو آنے لگے اور ریاضی اور طب عربوں سے سیکھنے لگے اندلس میں چودہ مدرسے اور بڑے بڑے کتبخانے تھے جنمیں سے حاکم کے کتبخانہ میں چھ لاکھ کتابیں جمع ہوئیں یہ کیفیت ترقی علم کی جبکہ اس زمانہ سے ملائی جاوے جو قبل زمانہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گذرا تو ثابت ہے کہ جیسا کہ عرب فتوحات میں سبقت کرتے تھے ایسے ہی ترقی علم میں بھی یہ لوگ تیز رفتار تھے جغرافیہ، تاریخ، فلسفہ، طب، طبعیات اور ریاضی میں مسلمانوں نے بڑا ہی کام کیا ہے اور عربی الفاظ جو آجتک علوم حکمیہ میں بولے جاتے ہیں اور بہت سے ستاروں کا نام وغیرہ ذلک اس بات کی دلیل ہیں کہ یورپ کے اکتساب علوم پر قدیم سے مسلمانوں کو بہت دخل و تصرف ہوا ہے مگر بعد کے زمانہ میں اس سے زیادہ جغرافیہ کا علم بہت کچھ یورپ کے حاصل ہوا ایشیاء اور افریقہ میں جغرافیہ کی بہت اشاعت ہوئی اور علی ہذا جغرافیہ میں پرانی عربی اور سفر و سیاحت کے رسالے تصنیفات ابو الفدا ادریسی لیو افریقا لوس، ابن بطوطہ ابن فضلان بن خبیر البیرونی المنجم اور انکی تحریریں آجتک مفید اور گرامی قدر ہیں، علم تاریخ بھی محنت سے حاصل کیا گیا اور قدیم عربی مؤرخ جسکا حال ہمکو ملتا ہے محمد الکلبی ہے جو ۸۱۹ء میں گذرا مگر اسی زمانہ میں اور کئی ایک مؤرخ گذرے اور دسویں صدی کے شروع سے تو عرب نے علم تاریخ پر بہت توجہ کی اور جن لوگوں نے تمام جہان کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا انمیں اول مسعودی، طبری، حمزہ، اصفہانی، اور بطریق اسکندریہ ہیں (مسعودی کی تاریخ کا نام مروج الذہب اور معدن الجواہر ہے) اس کے بعد ابو الفرج اور جارج الماقین (بہرود عیسائی) اور ابو الفدا وغیرہ ہیں، نویری نے جزیرہ مسقلیہ کی تاریخ ایام سلطنت عرب لکھی بہت سے اور اب عربی تاریخونکے جنمیں عیسائیونکی جنگ مقدس کا بیان ہے فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئے ہیں اور اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے حالات ابو القاسم قرطبی تمیمی وغیرہ کے متعدد کتابوں میں لکھے کسیکو انکے حالات دریافت کرنیکا زیادہ شوق ہو تو قطر ہمیر کی تصنیفات خصوصاً ون ہمیر کی کتابوں پر رجوع کرے،

عرب کے فلسفہ کو جو یونانی الاصل تھا قرآن سے وہی نسبت ہے جو اوسط زمانہ کی معقولات کو عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے تھی یعنی فلسفہ کو دینیات کا خادم سمجھا جاتا تھا عرب نے ارسطاطالیس کی تصنیفات کو بہت پڑھا اور اسپر انکی بہت شہرت ہوئی اور بالآخر تمام فرنگستان میں عربی زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ کے ذریعہ سے اسکی اشاعت ہوئی تو عرب کو خود ہی عہد عباسیہ میں ترجمہ کے وسیلہ سے حاصل ہوا تھا منطق اور علم مابعد الطبیعہ پر زیادہ توجہ ہوئی اور مسلمانوں میں اہل فلسفہ یہ لوگ ہوئے ہیں الکندی البصری جو نویں صدی عیسوی میں تھا الفارابی جسنے ۹۵۴ء میں اصول میں کتاب لکھی، ابن سینا جسنے منطق اور علم مابعد الطبیعۃ اور طب کو جمع کیا اور علم کیمیا و تشخیص امراض و شناخت ادویات بتانے میں بڑی ترقی کی، ابن یحییٰ جسکی تحقیق کی بڑی شہرت ہوئی، الغزالی جسنے تہافۃ الفلاسفہ تصنیف کی، ابوبکر بن طفیل جسنے حی بن یقظان میں انسانوں کا حیوانوں سے ظہور میں آنیکا مسئلہ بیان کیا اور اسکا شاگرد ابن رشد جو ارسطاطالیس کے مفسر ہونے میں بڑا مشہور اور گرامی قدر تھا ان لوگوں کا اور ان کے مسلک کا بیان شمول سدیس۔ دوسری کتابوں میں مفصل ملیگا بہت سے ان عرب فیلسوفوں میں طبیب بھی تھے ان سے علم خواص ادویہ میں مہارت کامل حاصل کرنیکو نیومیت نے معلومات جغرافیہ سے منسوب کیا ہے علم طب اس حیثیت سے کہ وہ ایک علم ہے عرب ہی کی ایجاد ہے جنکو نہایت قدیم زمانہ سے ماخذ یعنی ہندی طبیب شروع ہی سے مل گئے تھے معجون بنانے کی کیمیائی ترکیب عربوں ہی نے ایجاد کی اور دواؤں کے مرکب کرنے اور نسخہ لکھنے کی ایجاد بھی انہیں سے ہوئی اور مدرسہ سالرنو کے ذریعہ سے یہ علم فرنگستان جنوبی میں پھیل گیا دواسازی اور قرابادین کی وجہ سے علم نباتات اور کیمیا کی حاجت پڑی اور تین سو برس تک کثرت سے ان علوم کی تحصیل ہوتی رہی۔ [illegible] بغداد، اصفہان، فیروزآباد، دمشق، کوفہ، بصرہ، سکندریہ، قرطبہ وغیرہ میں فلسفہ اور طب کے مدرسے جاری تھے اور طبابت کے ہر صیغہ میں بجز علم تشریح کے بڑی ترقی ہوئی اسکے استثنا کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں اجسام کی تشریح ممنوع ہے۔ علم طب میں جو لوگ بڑے نامی مشہور ہوئے، ہارون، کندی، ابن سینا جسنے قانون لکھا اور رازی [illegible]

اس فن میں یہی ایک کتاب درس میں رہی ،

علی بن عباس ، اسحاق بن سلیمان ، ابو لقاسم ، اور روس جس نے طب کی تکمیل کی ، اور علی ابن عیسٰی وغیرہم ریاضی میں اہل عرب نے بڑی ترقی کی اور الجبر والمقابلہ کو بڑی ترقی دی ، بغداد اور قرطبہ کے مدرسوں اور رصدگاہوں میں علم ہیئت کمال شوق سے پڑھا جاتا تھا الحسن نے علم مناظرہ پر تصنیف کی ، اور نصیر الدین توسی نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا جبیر بن عقلاء نے بطلیموس کے علم مثلث پر شرح لکھی اور نظام بطلیموسی کی کتاب کاسیومیوس نے عربی میں ترجمہ کیا اور دسویں صدی عیسوی میں البائن نے زمین کے دائرہ عظیمہ کے ارتفاع پر نظر کی اور محمد بن الجبر الثانی نے رفتار شمس کی دریافت کی ، التیر جیوش نے ثوابت کے بیان میں کتاب لکھی ، اور ابو الحسن علی نے آلات علم ہیئت میں تصنیف کی ، انتہی کلامہ ،

یہ حالت جو انسائیکلوپیڈیا کے ذریعہ سے درج کی گئی مسلمانوں کے علم وفضل کے متعلق تھی ، اب ان کی چند تمدنی خصوصیات کو سن لینا چاہیئے ، فرانس کا مشہور و معروف محقق ڈاکٹر لیبان عربوں کی ملک گیری کی خصوصیات میں لکھتا ہے ،

یہ خلفائے راشدین جس خوش تدبیری کو کام میں لائے وہ مافوق ان کی سپاہ گری اور فن حرب کے تھی جسے انھوں نے آسانی سے سیکھ لیا تھا ،

شروع ہی سے انہیں ایسی اقوام سے کام پڑا جنپر سالہا سال سے مختلف صورتونیں مختلف حکومتوں نے ظلم کر رکھا تھا اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ نئے ملک گیروں کو قبول کر لیا ، جنکی حکومت میں انہیں بہت زیادہ آسائش تھی مفتوح اقوام کیساتھ طریقہ کیا ہونا چاہیئے نہایت صاف و صریح طور پر مقرر کر دیا گیا تھا ، اور خلفائے اسلام نے ہرگز بزور شمشیر دین کو پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ بعوض اس کے اپنے دین کی اشاعت کرتے جیسا کہ بار بار کہا جاتا ہے وہ صاف طور پر کہہ دیتے تھے کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب اور رسوم و اوضاع کی پوری طرح سے حرمت کی جاوے گی ،

اور اس آزادی کے معاوضہ میں وہ ان سے ایک بہت خفیف سا خراج لیتے تھے جو اس مطلوب کے مقابلہ میں جو ان اقوام کے پرانے احکام ان سے وصول کیا کرتے تھے

نہایت کم تھا کسی ملک پر فوج کشی کرنے سے پہلے عرب ہمیشہ ان کے پاس سفیروں کے ذریعہ سے صلح کے شرائط بھیجا کرتے تھے اور یہ شرائط جنکا ذکر المکین نے کیا ہے علی العموم اسی قسم کے ہوا کرتے تھے جیسا کہ عمرؓ نے [illegible] میں باشندگان غزہ کے سامنے جو اس وقت محصور تھا پیش کئے تھے اور یہ شرائط مصریوں اور ایرانیوں دونوں سے کیگئی تھیں وہ شرائط ذیل میں لکھی جاتی ہیں،

ہمارے حاکم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تم قانون اسلام نہ قبول کرو تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں پس تم بھی ہم سے ملجاؤ اور ہمارے بھائی بنجاؤ اور ہمارے منافع اور ہمارے منصوبوں میں شریک ہوجاؤ اس کے بعد ہم تم سے کوئی برائی نہ کرینگے لیکن اگر تم یہ کرنا نہیں چاہتے تو تمہیں اپنی زندگی تک ایک سالانہ خراج بالالتزام دیا کرو اس کے بعد تمہارے بدلے ہم تمام ان لوگوں سے لڑینگے جو تمہیں ستانا چاہیں یا کسی طرح تمہارے دشمن ہوں اور ہم اپنے وعدہ پر مضبوط رہینگے اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر ہم میں اور تم میں بجز تلوار کے کوئی چیز نہیں رہتی اور ہم تم سے اسوقت تک جنگ کرتے رہینگے جبتک اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا نہ کرلیں،

بیت المقدس کی فتح کیوقت حضرت عمرؓ کا اخلاق پھر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیران اسلام مفتوح اقوام کیساتھ کیا نرم سلوک کرتے تھے اور یہ سلوک اس مدارات کے مقابل جو صلیبیوں نے اس شہر کے باشندوں سے کئی صدی بعد کیا نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے حضرت عمرؓ اس شہر مقدس میں بہت تھوڑے اشخاص کیساتھ داخل ہوئے اور آپ نے سفرانئیس بطریق سے درخواست کی کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپ کے ہمراہ چلے اسی وقت حضرت عمرؓ نے منادی کرادی کہ میں ذمہ دار ہوں کہ باشندگان شہر کے مال اور انکی عبادتگاہوں کی حرمت کیجائے گی اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہ ہونگے،

سب سے پہلا سلوک عمر رضی اللہ عنہ نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ اس سے کم نہ تھا اس نے باشندگان مصر سے وعدہ کیا کہ انہیں پوری مذہب کی آزادی پورا انصاف بلا رو رعایت اور جائداد کے ملکیت کے پورے حقوق دئیے جائینگے اور ان ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شاہنشاہ یونانی ان سے

وصول کرتے تھے صرف ایک سالانہ جزیہ لگایا جائیگا جس کی مقدار فی کس تقریباً دس روپیہ تھی رعایائے صوبہ جات نے ان شرائط کو اس قدر غنیمت سمجھا کہ وہ عہد وپیمان میں شریک ہوگئے اور جزیہ کی رقم انھوں نے پیشگی ادا کر دی عمّال اسلام اپنے عہد پر اسدرجہ مستحکم رہے اور انھوں نے ان رعایا کیساتھ جو ہر روز شاہنشاہ قسطنطنیہ کے عاملوں کے ہاتھ سے انواع واقسام کے مظالم سہا کرتی تھی اس طرح کا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک نے بکشادہ پیشانی دین اسلام اور زبان عربی کو قبول کرلیا، میں بار بار کہوں گا کہ یہ وہ نتیجہ ہے کہ ہرگز بزور شمشیر حاصل نہیں ہوسکتا اور عربوں سے پہلے جن اقوام نے مصر پر حکومت کی وہ ہرگز یہ کامیابی حاصل نہ کر سکیں،

عربوں کی ملک گیری میں ایک خاص بات ہے جو انکے بعد کے ملک گیروں میں ہرگز نہیں پائی جاتی دیگر اقوام نے بھی مثل بربریوں (جنہوں نے روم کے ملک کو فتح کیا ہے) یا ترکوں وغیرہ نے ملک گیری کی ہے لیکن انھوں نے کبھی کوئی تمدن نہیں قائم کیا اور انکی ساری ہمت اسی طرف مصروف رہی ہے کہ جہانتک ممکن ہو اقوام مفتوحہ کے مال سے فائدہ اٹھائیں برخلاف اس کے عربوں نے قلیل زمانہ میں ایک جدید تمدن کی عمارت کھڑی کر دی اور انھوں نے ایک گروہ اقوام کو اس جدید تمدن کیساتھ اپنے مذہب اور اپنی زبان اختیار کرنے پر آمادہ کیا عربونکی صحبت کے ساتھ ہی مصر اور ہندوستان کے سے قدیم اقوام نے انکا دین انکا لباس، انکا طرز معیشت بلکہ انکا طریقہ تعمیر تک اختیار کرلیا عربونکے بعد بہت سے اقوام نے انہیں خطوں پر حکومت کی ہے لیکن پیغمبر اسلام کی تعلیم کا اثر اسوقت تک ان ملکوں میں باقی ہے کل ممالک ایشیاء افریقہ میں مراکش سے لیکر ہندوستان تک جہاں کہیں عرب پہونچے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انکا اثر ان ملکونمیں ہمیشہ کیلئے قائم ہوگیا ہے بہت سے نئے ملک گیروں نے ان ممالک کو عربونکے بعد فتح کیا ہے لیکن وہ ان سے عربونکا مذہب عربوں کی زبانکو ہرگز نہ مٹا سکے، انتہٰی کلامہ یہ شایستہ تمدن جسکا ذکر محقق موصوف نے کیا چندہی روز میں دریائے سندھ سے اندلس تک پہونچگیا اور رفتہ رفتہ ہندوستان میں جو ہزارہا معبودوں کا گھر تھا

مسلمانوں کے بابرکت قدم آئے اور انہوں نے اس ظلمت کدہ میں توحید کا چراغ روشن کیا اور گویا بت خانہ کے اندر مسجد بنا دی، ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے زلزلہ سے جہاں اور قومی عمارات گرنا شروع ہوئیں یہ مسجد بھی انہدام کے قریب آپہونچی، اسپر ایک طرف تو دشمنان اسلام نے اس کی بنیادیں نکال ڈالنیکا ارادہ کر دیا اور دوسری طرف خود مسلمانوں نے اس کی اینٹوں سے اپنے پکے مکانات تعمیر کرنا چاہے، اسی پر خطر وقت میں ایک مرد اسلام کو خدائے تعالیٰ نے بھیجدیا جسنے اس مسجد کی عمارت کو زمانے کی دست برد سے بچالیا اور پہلے سے بھی زیادہ رفیع الشان اور باعظمت بنانے کی کوشش میں کامیاب ہوا،

یہ رفیع المنزلت عمارت مدرسہ عربی دیوبند ہے جس کا مفصل تذکرہ آپ میرے اور لوگوں کی رپورٹوں میں پائینگے،

اور وہ مرد اسلام قدسی صفات حضرت مولنا محمد قاسم صاحب قدس سرہ ہیں جنہوں نے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور جن کے اسم گرامی پرہی ہم اپنی اس تحریر کو ختم کر دینا چاہتے ہیں،

زباں پہ بار خدایا یہ کسکا نام آیا　　کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

ستشسلام

ہر قسم کی دینی علمی اور
درسی وغیرہ درسی کتابیں
یکجا باکفایت ملنے کا پتہ

(مولوی) سید احمد مالک کتبخانہ اعزازیہ
دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

اسلام

یوں تو اردو میں سیرت کے موضوع پر بہت کتابیں موجود ہیں، لیکن حضرت مولانا عاشق الٰہی مرحوم کی مشہور معروف کتاب "اسلام" جن خصوصیات کی حامل ہے وہ اردو کی دوسری کتب سیرت میں نہیں ملتیں،

چاہِ زمزم کی نمود اور مکہ کی ابتدا سے ۱۳ھ نبوی تک کے حالات اسمیں ایسی دلکشی اور حسن ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں کہ واقعات کا ربط اور طرز بیان کی سلاست پڑھنے والے کی دلچسپی کو پوری طرح اپنے اندر جذب کر لیتی ہیں، نہ تو غیر ضروری تفصیلات سے کلام کو طویل کیا گیا ہے نہ بیجا اختصار سے عبارت کو تشنہ رکھا گیا ہے، ایک معتدل پسندیدہ اور عام فہم انداز میں رسول کریم کی سیرت مبارکہ، اسکی متعلقہ تفصیلات اور عمرانی و معاشرتی حالات پر عالمانہ روشنی ڈالی گئی ہے واقعات مستند ہیں، تاریخی راست بیانی کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔

تفصیلات اس خوبصورتی سے بیان کی گئی ہیں کہ صدیوں پہلے کا زمانہ نگاہِ تصور کو زندہ و تابندہ محسوس ہونے لگتا ہے، بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ تین حصوں پر مشتمل یہ کتاب فدایان رسول کیلئے تحفۂ خاص ہے۔ جسکا مطالعہ بہت سی ضخیم کتابوں سے بے نیاز کر دے گا۔

تازہ ایڈیشن۔ روشن طباعت و کتابت اور سفید کاغذ پر چھاپا گیا ہے۔ تینوں حصے یکجا مجلد ہیں جنپر خوبصورت گرد پوش نے حسن صورت میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ ہدیہ سات روپے

(مولوی) سید احمد مالک کتبخانہ اعزازیہ دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)